فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید

پردہ اٹھتا ہے

تالیف

سیّد شاہد زعیم فاطمی

ناشر سید شاہد زعیم فاطمی

زباں کشیدہ بہ دارالقضاء عجب دریا
شہود کذب زدعوی گراں ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہاں این است
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۶۱﴾ (آل عمران پارہ ۳)

آؤ رو در رو ہو کر بات طے کر لیں تم اپنے خاندان کے افراد کو لے آؤ ہم اپنے خاندان کے افراد کو لے آتے ہیں پھر خدا کے حضور سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز کی درخواست پیش کرتے ہیں تاکہ جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ڈالیں۔

(آل عمران پارہ ۳)

انتساب

اس جامع الصفات انسان کے نام

جس کی ذات بجائے خود اک انجمن جس کی ہستی سراپا خیر و برکت اور جس کی شخصیت مفتخات دہر میں سے ہے۔

نیروبی (کینیا مشرقی افریقہ) کی امام بارگاہ کا خطیب آل محمدؐ اور اثنا عشری مسجد جامع نیروبی کا امام الصلوٰت جس کا وجود تاریک براعظم افریقہ میں روشنی کا مینار ہے۔

علم و عمل کا سنگم، فکر و نظر کا مرجع فقہ و ادب کا منبع، پاکیزگی حسب و نسب کا جامع، قرآن و سنت کے علوم و معارف کا رمز آشنا دودمان اہل بیتؑ نبوتؐ کا گل سر سبد جو اس خانوادہ شرف محمد کی تمام روایات عظمت و جلالت کا امین ہے۔

مولانا سید علی عابد رضوی کراروی (ادام اللہ ظلہ) کہ یہی اس شخصیت عظمیٰ کے نام نامی و اسم گرامی ہے۔ میں اپنی کتاب کو اسی کی ذات سراپا صفات کی جانب منسوب کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں کہ طبقہ علماء دین اس سے زیادہ پاک باز پاک نہاد پاک نفس مخلص بے ریا اور کشادہ دست انسان نظر سے نہیں گزرا۔ اللہم بارک فی عمرہ و زدقہ ولدہ ولدہ: احفظ من کل بلاء الدنیا والآخرہ بجاہ محمد و آل محمد صلوٰت اللہ علیہم اجمعین۔

دیباچہ قرطاس ابیض

دُنیا جہان کا دستور ہے کہ جب کبھی کوئی حکمران ظلم و تعدی کا بازار گرم کرتا ہے اور اپنی ہی رعایا کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے لگتا ہے تو اس کی بساط اقتدار کے الٹ دیئے جانے کے بعد ایسے ظالم حکمران کی چیرہ دستیوں اس کی کرتوتوں اور اس کی بد عنوانیوں پر قرطاس ابیض (WHITE PAPER) شائع کیا جاتا ہے اور اس میں دستاویزی ثبوت کے ساتھ دنیا پر واضح کیا جاتا ہے کہ پیش رو حکمران کس قدر گھناؤنے کردار کا حامل تھا۔

خلافت راشدہ جس کا آج دنیا میں ڈنکہ بجایا جا رہا ہے۔ اپنی سفاکی اور ظلم و جبر کی بھیانک واردات کے اعتبار سے ایک ایسا دور حکومت اور عہد ستم رانی ہے کہ اس پر بھی ایک قرطاس ابیض شائع کرنے کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ یہ خلافت راشدہ جس نے اپنے تین خلیفوں کے زمانہ اقتدار میں اپنوں پر بھی شب خون مارے اور بیگانوں پر بھی تگ و تاز کی اس کا کچا چٹھہ بیان کرنے کے لیے بھی ایک طویل دفتر درکار ہے۔

زیرِ نظر کتاب "پردہ اٹھتا ہے" تو اس قرطاس ابیض کی ایک ابتدائی جھلک ہے۔ اس (WHITE PAPER) کا اسے دیباچہ کہہ لیجئے۔

خلفائے ثلاثہ کی داستان جبر و تشدد کے لیے ایک الگ اور مستقل کتاب "خلافت راشدہ اور اس کا نظام حکومت" کے عنوان سے معرض تحریر میں ہے جو اس موضوع پر حرف آخر ہو گی اور تب دنیا کو پتہ چلے گا کہ جس نظام حکومت کو خلافت راشدہ کے پُر فریب نام سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ وہ انسانیت کی تذلیل کا ایک ایسا سیاہ دَور تھا کہ اس کی خوں ریزیوں اور سفاکیوں کے سامنے چنگیز و ہلاکو کی داستانیں اور روایتیں دم توڑتی نظر آتی ہیں۔

پیغمبر امن و انسانیت محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے مقدس مشن کو اس عہد زبوں کار میں جس طرح پامال کیا گیا وہ تاریخ کا سیاہ ورق ہے اور اسے نہ تو جھوٹے پروپیگنڈے سے نہ خود ساختہ جعلی اور وضعی روایتوں جھوٹی تاویلوں کے بل پر جھٹلایا جا سکتا ہے۔ اسکی سیاہ روئی میں کوئی کمی کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک شرمناک باب ہے کہ اگر کسی دوسری قوم کی تاریخ میں اس قسم کا باب شامل ہوتا تو وہ شاید اجتماعی خودکشی کے ذریعے اپنے دامن کے ان داغوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتی لیکن کیا حوصلہ ہے مسلمان قوم کا کہ وہ دامن کے ان بدنما داغوں پر زندہ باد کے نعرے لگاتی اور خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی کسی شخص کی بدطینتی اور اس کے خبث باطن کے لیے یہی بات کیا کم ہے کہ وہ احسان فراموشی کی مرتکب ہو۔ ساری دنیا کی نگاہ میں ایک احسان فراموش انسان سے بڑھ کر کم ظرف اور فرومایہ انسان اور کوئی نہیں ہوتا اور کسی بھی مہذب معاشرہ میں ایسے شخص کی اوقات دو ٹکے کی بھی نہیں ہوتی لیکن آپ دیکھیں کہ پیغمبرؐ کی جوتیوں کے صدقے میں مسند اقتدار پر قابض ہونے والے لوگوں نے خود پیغمبرؐ کے خاندان سے کیا سلوک روا رکھا

کس طرح پیغمبرؐ کی اکلوتی بیٹیؑ کا حق غصب کیا، کس طرح پیغمبرؐ کے نامزد کردہ جانشینؑ سے بدسلوکی کی، کس طرح خانوادۂ نبوت کو اقتصادی مار مارنے کی ناپاک کوشش کی، کس طرح ایک بدنہاد انسان لکڑیاں لے کر پیغمبرؐ کی لختِ جگرؑ کے مکان کو آگ لگانے پہنچا اور کس طرح اس نے اس موقعہ پر وہ اودہم مچایا کہ غنڈے اور بدمعاش بھی اس قسم کی ذلیل حرکتوں کا تصور نہیں کر سکتے لیکن با ایں ہمہ آج وہی بدقماش لوگ مسلمان قوم کے ہیرو ہیں اور لوگ ان کے نام پر لغلغیں بجاتے اور نعرے لگاتے ہیں۔

ڈرو غضب سے خدا کے تو ایک بات بھی ہے   نبیؐ کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگہ سے ڈرو

اور اس طرزِ حکمرانی پر داد کے دونگڑے برسانے والے کون ہیں وہ جو پیغمبرؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں اسپرؐ اور اس کی آلؑ پر درود بھیجتے ہیں اور اس پیغمبرؐ کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں لیکن انہیں کبھی یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اگر ان کی اولاد سے کوئی ان کا نام نہاد دوست ایسی بدسلوکی کرے تو ایسے شخص کے بارے میں ان کا ردِ عمل کیا ہو گا۔

کیا محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی وہ قدر و منزلت بھی نہیں ہے جو خود ہماری اولاد کی ہماری نگاہ میں ہے۔ کیا اسی کا نام محبت ہے؟

ابوبکر نے عمر نے عثمان نے عبدالرحمن بن عوف نے طلحہ نے اور زبیر نے خالدؔ بن ولید نے اور ابوہریرہ نے عبیدہ ابن جراح نے اور عمروؔ بن عاص نے مغیرہؔ بن شعیب نے اور معاویہؔ بن ابی سفیان نے اہلِ بیتِ نبوتؑ کے ساتھ جو بدمعاملگی، دھاندلی، دھونس اور بے مروتی کی کیا اس کے بعد بھی ان لوگوں کی

شان میں قصیدہ خوانی کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے۔
کیا وفاداری کا مرکز و محور پیغمبرؐ کی ذات ہے یا کوئی اور۔
بس اس ایک بات پر سارے قضیہ کا فیصلہ ہوا چاہتا شرط یہ ہے کہ دل میں انصاف بھی ہو اور ایمان بھی۔

شاہد رزعیم فاطمی

سر نقطۂ آغاز

اپنی پہلی کتاب "سیدنا علیؓ ابن ابی طالبؑ اور ان کے سیاسی حریف" کے پیش لفظ میں میں نے لکھا تھا۔

"اپنی تمام تر زرد سیاہیوں کے باوصف اور اپنے گناہ گار ہونے کے اعتراف کے باوجود ایک راسخ العقیدہ مسلمان، ایک محب اہل بیتؑ نبوت نیز خانوادۂ بنو ہاشم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں ان بیہودہ الزامات اور بے سروپا اتہامات کی تردید کے لیے جو چند بد نہاد لوگ سیدنا علیؓ ابن ابی طالبؑ کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد امجاد کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اپنے قلم کو حرکت میں لاؤں۔

ایک عرصہ تک میں اس بیہودگی کے مظاہر کا بچشم خود مطالعہ کرتا رہا جو نام نہاد اہل سنت کی بعض ذمہ دار شخصیتوں کی جانب سے سرزد ہوتے رہے لیکن تا بہ کے؟ اب جبکہ ان "احبار سوء" کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس میں بھی ایسے دوں فطرت لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو بد طینتی کے اس ناپاک کھیل کو سر عام کھیلنے لگے ہیں اور تحقیق و تاریخ کے نام پر توہین اہل بیتؑ کا مذموم سلسلہ چل نکلا ہے تو بادل ناخواستہ "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" کے مصداق ضرورت محسوس ہوئی کہ ان چہروں سے نقاب سرکا دیا جائے

جنہیں اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو پتہ چلے کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اس کے بعد "پردہ اٹھتا ہے" کے عنوان سے ایک اور کتاب کی ترتیب بھی ہمارے پیش نظر ہے جس میں ہم اہل سنت کی بعض نامور شخصیتوں اور اس گروہ کی کچھ ایسی نمایاں ہستیوں کے رُخ کردار سے پردہ اٹھائیں گے جن کو آج تک عصمت انبیاء کا سا تقدس حاصل رہا ہے اور تب پتہ چلے گا کہ اہل سنت جہاں کھڑے ہیں وہاں ان کے پاؤں کے نیچے زمین نہیں ہے۔

انا صخرۃ الوادی اذا ما زوحمت
واذا نطقت فانئی الجوزا ء

آج اس کتاب کی صورت میں میں اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔ جو خدا و خلق کی جانب سے مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ اور انکے سیاسی حریف

"علیؑ بن ابی طالبؑ اور ان کے سیاسی حریف" کتاب پر حکومت نے پابندی عائد کر دی اور "ڈیفنس آف پاکستان رولز" کے تحت اسکی اشاعت روک دی گئی گویا اب ماضی کی تاریخ کا تذکرہ بھی ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔

اپنی تاریخ پر وہی قوم پابندی عائد کرنے کا سوچتی ہے جسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کا ماضی شرمناک ہے اور اقوام عالم کی صف میں اس کا کردار جگ ہنسائی کا موجب بنا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مسلمان قوم کی تاریخ ناسپاسی، ناشکر گزاری، احسان فراموشی اور بے مروتی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ نسل انسانی میں کسی بدترین سے بدترین قوم کا کردار ایسا گھناونا نہیں، جیسا کہ مسلمان قوم کا رہا ہے۔

خلافت کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی دلی خواہش کو یکسر نظرانداز کر دیا۔

پہلے اور دوسرے خلیفہ کے عہدِ اقتدار میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین حریف قبیلہ کو برسراقتدار لانے کی خفیہ اور منظم سازش کرنا اور تیسرے خلیفہ کے اپنے خاندان کے نااہل اور قابلِ نفرت افراد کو کلیدی عہدوں پر فائز کرنا اس قوم کے بعض ایسے کارنامے ہیں جن پر تاریخ کا ماتم آج بھی جاری ہے۔

خاندانِ نبوت کے ساتھ سرد مہری کا سلوک، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی اکلوتی اور چہیتی بیٹیؑ کے ساتھ بے مروتی کا برتاؤ فیض یافتگان صحبت نبویؐ کی باہمی چپقلش اور ان کا قبائلی عصبیت کا مظاہرہ ایسے کارنامے نہیں ہیں کہ ان پر کوئی قوم فخر کر سکے ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ دوسری قوموں پر بدبختی کی یہ آفت پانچ سات نسلوں کے بعد آئی لیکن مسلمانوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی بدبختی کا آغاز ان کے پیغمبر کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہو گیا۔ دوسری قوموں نے جس سفر کا آغاز صدیوں بعد کیا مسلمانوں نے پہلے ہی دن اس راہ پر چلنا شروع کر دیا۔

"علیؑ ابن ابی طالبؑ اور ان کے سیاسی حریف" کتاب کیا شائع ہوئی "اہل سنت والجماعت" کے ایوان یزیدیت میں زلزلہ آ گیا اس گروہ کے لوگ انگاروں پر لوٹ رہے ہیں ان کے ہاں صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور گویا ایک حشر برپا ہے کچھ لوگ تو اس بات پر تلملا رہے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند سے نسبت تلمذ رکھنے والا شخص جس کے ددھیال اور ننھیال میں دور دور تک شیعیت کا سراغ نہیں ملتا۔ اس نے براہ راست شیعی مکتبِ فکر کی حمایت کا ناقابل معافی جرم کیسے کیا اور کیوں کیا ؟

بلاشبہ ماحول اور خاندانی اثرات کا انسان کے عقائد و اعمال پر گہرا اور دیرپا اثر قائم ہوتا ہے اور اگر توفیق الٰہی کی دستگیری شاملِ حال نہ ہو تو انسان اس "تقلید اعمیٰ" سے کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتا اور خاندانی عقائد نظریات کی بھول بھلیوں سے باہر نہیں نکل سکتا۔

لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک معمولی سا واقعہ انقلاب حال کی تمہید بن جاتا ہے اور صدیوں کی مذہبی اور خاندانی روایتوں میں جکڑا ہوا انسان دفعتہً

ان زنجیروں کو کاٹ پھینکتا ہے۔

"موسیو لیبان" مشہور فرانسیسی دانشور کی کتاب "روح الاجتماع" میں آج سے تیس برس قبل جب یہ پڑھا تھا کہ کسی خاص جماعت سے وابستگی کے دور میں انسان اپنے ذہن اور اپنے دماغ سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے" تو اس وقت اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آئی تھی لیکن جب "اہل سنت والجماعت" کی گروہی عصبیت سے بالا تر ہو کر تاریخ کا جائزہ لیا تو آنکھوں کے سامنے سے دھند چھٹتی ہوئی محسوس ہوئی اور پہلی بار اندازہ ہوا کہ اجتماعی نفسیات کے تحت عقل و شعور پر جو دبیز پردے پڑ جاتے ہیں ان پردوں کو اٹھانے کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان دوسروں کے ذہنوں اور دماغوں سے کام لینے کی بجائے خود اپنے دل و دماغ سے کام لے اور حقائق کے ادراک میں خدائے دانا و بینا کی عطا کردہ علم و دانش کی روشنی سے استفادہ کرے اور خبیث و طیب میں خود امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

میری محولہ بالا کتاب دراصل حقائق تک رسائی کی ایک ابتدائی کوشش تھی۔ یہ کتاب تحقیق و تلاش و جستجو کا کوئی ایسا قابلِ ذکر کارنامہ نہیں تھا کہ "دشمن ایمان و آگہی" گروہ اسپر یوں سیخ پا ہوتا اس لیے کہ میں نے اسے ایک کتاب کی بجائے ایک سرسری احتجاجی مضمون کی صورت میں لکھا تھا اور موضوعِ بحث تھا "یوم معاویہؓ" پر اظہار ناپسندیدگی۔

اگر اس کتاب کو علم و تحقیق کے انداز میں لکھنا مقصود ہوتا تو اس میں فکر و نظر کے دوسرے بہت سے مباحث بھی معرض تحریر میں آتے اور ایسا بیشتر علمی

اور تاریخی مواد بھی اس میں شامل ہوتا جس سے امیر المومنین سیدنا علی علیہ السلام کی قرار واقعی عظمت کو تحسین کا خراج شایان شان طریق پر پیش کیا جاتا۔

لیکن اس سرسری سے مضمون پر اہل سنت والجماعت کے حلقوں میں جو شدید رد عمل رونما ہوا اس نے جہاں اس فرقہ کی علمی بے بضاعتی اور تحقیقی بے مائیگی کا پردہ فاش ہوا وہاں اس تلخ حقیقت کا بھی اندازہ ہوا کہ اپنی اکثریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والا یہ فرقہ اپنی بھاری اکثریت کے باوجود اقلیتی فرقہ کے ایک عام سے احتجاجی نعرے کا مقابلہ کرنے کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ اور اس میں حقائق کا سامنا کرنے کی نہ جرأت ہے نہ ہمت وہ استدلال کے میدان میں کھڑا ہونے کی اہلیت سے یکسر محروم ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ اہل سنت خود اپنی کتابوں کے مندرجات سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں ہیں اور اگر ان کے سامنے صرف انہی کی مسلمہ و متفقہ کتابوں کا وہ رُخ پیش کیا جائے جو اس فرقہ کی مکرم شخصیتوں کے کردار اور چال چلن سے متعلق ہے تو یقین ہے کہ وہ ان شخصیتوں کے بتوں کو خود اپنے ہاتھوں توڑ دینے میں کوئی تامل نہیں کریں گے واقعہ یہ ہے کہ ان بیچاروں کو علم ہی نہیں ہے کہ انہوں نے جن لوگوں کو اپنے جہاں خانۂ دل میں سجا کر رکھا ہے وہ کس قماش کے لوگ اور کس کردار کے انسان تھے۔ انہوں نے محض سُنی سُنائی باتوں کو جوان کے "اصبار سوء" اور رہبان بد نے طوطے کی طرح رٹ رکھے ہیں عقائد کی صورت میں قبول کر رکھا ہے اور اپنی بے سروپا باتوں کو وہ قرآن و حدیث سے زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان لوگوں کے سامنے صحیح واقعات رکھے جائیں اور انہیں ان کے خاندانی پس منظر میں ساری

صورت حال سے آگاہ کیا جائے تو شاید ہی کوئی انصاف پسند اور معقول شخص ہوگا جو جائز حق داروں اور غاصبوں کے درمیان واضح فرق محسوس کئے بغیر نہیں رہیگا۔

اس سلسلہ میں میں خود اپنی مثال پیش کرتا ہوں کچھ عرصہ پہلے تک میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خلفا ثلاثہ ابوبکر و عمر و عثمان کے بارے میں کوئی ایسی بات بھی کہی جا سکتی ہے جو تنقید و جرح کا پہلو لئے ہوئے ہو لیکن جب اہل سنت ہی کی کتابوں کے بے لاگ مطالعہ کا اتفاق ہوا تو عقل و دماغ پر پڑے سارے پردے ایک ایک کر کے اٹھ گئے اور تب نظر آیا کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

خاندانی بندشوں سے بڑھ کر خرافات کا وہ طومار انسان کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے جسے ایک خاص منصوبہ کے تحت دور بنی اُمیہ و بنی عباس کے خود فروش اور بے ضمیر راویان حدیث اور فقہاء نے مرتب کیا ہے۔

خرافات کے اِس انبار میں اس حدیث کا بڑا چرچا ہے جو سراسر موضوع اور بے اصل ہے اور مشہور خارجی مصنف ابن تیمیہ تک نے اسے "من گھڑت" تسلیم کیا ہے[1]۔ لیکن سُنّی علماء جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ حدیث وضعی اور جعلی ہے اسے بطور اسناد نہ صرف پیش کرتے ہیں بلکہ اسے اپنے عقائد و اعمال کی اس اساس

---

[1] یہ حدیث بے بنیاد ہے (کتاب المنتقی ابن تیمیہ ص ۵۵۱) اس روایت کے وضعی اور جعلی ہونے کے باوجود تم چھوٹے بڑے سبی اور مستقین عظمت صحابہ کی اساس اسی جھوٹی روایت پر قائم کئے ہوئے ہو مگر جوں کے توں قائم ہو۔

بھی قرار دیتے ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ ستارہ ہائے شب کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی اقتداء کروگے ہدایت یافتہ ہو جاؤگے۔

جعلی، وضعی اور من گھڑت حدیثوں پر جس مذہب کا دار و مدار ہو اور جن کے بڑوں نے پہلے پہل ایک جھوٹی حدیث وضع کر کے پیغمبرؐ کی آلؑ کو اس کے آبائی ورثہ سے محروم کر دینے کی جسارت کی ہو وہ شرف و فضیلتِ صحابہ پہ ایک نہیں بیسیوں حدیثیں گھڑ سکتے ہیں اور انہوں نے اس میں کوئی کمی نہیں کی۔

قرآن مقدس نے حضور ختمی مرتبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو "سراج منیر" یعنی آفتاب ہدایت قرار دیا ہے اس آفتاب رشد و ہدایت کی موجودگی میں شب اور ستارہ ہائے شب کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین ہیں کہ اب ان کے بعد نہ کسی نبی کی ضرورت ہے نہ رسول کی اور وہ ایسی شریعت مقدسہ لے کر تشریف لائے جس کے بارے میں خود زبان نبوت و وحی نے یہ ارشاد فرمایا کہ بعثت لبیضۃ البیضاء لیلہا کنہارھا میں ایک ایسی بے لاگ کشادہ اور روشن شریعت لے کر آیا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح اجلی ہے جب اس شریعت مطہرہ کے روز و شب اپنی تابانیوں کی رُو سے یکساں ہیں تو ستاروں کی کیا تک ہے اور پھر تمام ستارگان شب رہ نمائی کے کام کہاں آتے ہیں۔ گنتی کے چند ستارے ہیں جن سے مسافران

شب اکتساب ضیاء کرتے اور جن سے رہ نمائی حاصل کرتے ہیں ستاروں سے کسب ہدایت کی ضرورت رات کی تاریکی میں ہوتی ہے دن کی روشنی اور سورج کی موجودگی میں ستاروں کا کیا کام مگر گھڑنے والوں نے اس قسم کی حدیثیں بھی گھڑیں اور احمقوں نے انہیں آنکھیں بند کرکے تسلیم کرلیا۔

ریت کی یہ دیواریں

سوچتا ہوں بات کا آغاز کہاں سے کروں اور کس شخصیت کو سب سے پہلے زیر بحث لاؤں ایک طرف "الصحابۃ کلہم عدول" (تمام صحابہ نیکوکار یا قابل اعتماد ہیں) کا نوٹس چسپاں ہے دوسری جانب "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے) کا حصار کھنچا ہوا ہے تیسری جانب "لاتسبوا اصحابی" (میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو) کی ہدایت آویزاں ہے چوتھی سمت "اللہ اللہ فی اصحابی" (میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو) کا انتباہ راہ روک کھڑا ہے۔

لیکن ریت کی یہ دیواریں یہ کچے گھروندے، یہ شکستہ دیوار و دران مخدرات عصمت کی بے چادری کو نگاہوں کی چیرہ دستیوں سے کیوں کر بچا سکتے ہیں' مبروص چہروں کو آخر کب تک مصنوعی نقابوں سے چھپایا جاتا رہے گا۔ کب تک چند من گھڑت اصطلاحات کا سہارا لے کر عظمتوں کے جھوٹے محل استوار کئے جاتے رہیں گے؟ حقائق پر پردہ ڈالنے کی سعی مذموم کب تک جاری رہے گی؟ کہاں تک صداقتوں کا منہ چڑایا جاتا رہے گا؟ کب تک فرار واقعی عظمتوں کا انکار ہوگا؟ جھوٹ کو سچ بنا کر اور سچائی کو جھوٹ کا روپ دے کر لوگ کب تک خود فریبی کا شکار ہوتے رہیں گے اور کب تک خلقِ خدا

کو فریب دیتے رہیں گے۔

اگر کسی کے ذہن میں خود ساختہ نظریات اور بے سر وپا روایات کا جھاڑ جھنکار اس حد تک راسخ ہو چکا ہے کہ اب کسی معقول بات کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا شخص ہمارا مخاطب نہیں کہ "میں نہ مانوں" کی دلیل کا کوئی توڑ آج تک پیش نہیں کیا جا سکا۔

البتہ اگر دل میں خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا نقش مرتسم ہو، اگر محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر مشروط وفاداری کا عہد مستحکم ہو۔ اگر تمام بڑی چھوٹی شخصیتوں سے صرف نظر کر کے صرف ایک حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر نگاہ مرتکز ہو تو مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اہل دل اور اہل نظر کے لیے اسے قبول کیے بنا چارہ نہیں ہدایت کا نامہ بر اگر کسی صاحب ضمیر انسان کے در دل پر دستک دے تو پھر مجال انکار ممکن نہیں ہے اور وہاں سرتابی اور روگردانی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ میں نے اس کتاب میں جو تلخ و ترش باتیں لکھی ہیں یہ خیر و فلاح کی ایک پُر زور دستک ہے ہر اس دروازۂ دل پر جسے شخصیتوں سے زیادہ اصول عزیز ہیں جسے افراد کی بجائے نظریات سے محبت ہے جسے اپنے ذاتی اور شخصی رجحانات سے زیادہ حقائق سے لگاؤ ہے جو دین کو پیغمبرؐ کے حوالے سے سمجھنا چاہتا ہے کسی ایرے غیرے کی اختراع ذہنی کے ذریعے نہیں جو سرچشمۂ ہدایت صرف محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو سمجھتا ہے اور اپنے دل و دماغ کی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اس سرچشمۂ زلال جہانی سے اپنی روحانی تشنگی کا ازالہ چاہتا ہے بقول اقبال

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یہ حریفانہ کشمکش کی کوئی داستان نہیں ہے یہ مناظرانہ اسلوب بیان بھی نہیں ہے نہ یہ مجادلہ و مکابرہ کی شکل ہے سخن سازی اور عبادت آرائی بھی مقصود نہیں ہے ایک طالب علمانہ سعی ناتمام ہے احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

میں نے بارہا اس امر کے بارے میں غور و فکر کیا ہے کہ اسلام کے اعلیٰ نظریات کی ناکامی کا اصل باعث کیا ہے ایک ایسا نظام حیات جو جامع بھی تھا اور فکر و عمل کے ہر شائستہ معیار پر پورا بھی اترتا تھا عملاً وہ دنیا میں قائم کیوں نہ رہ سکا۔ کیا یہ اس نظام کا نقص تھا جسے ہم منشور خداوندی قرار دیتے ہیں یا اس نظام کے علمبرداروں میں خامی تھی جس نے ایک بہترین نظام کو ناکامی سے دوچار کر دیا۔

اب یہاں اس امر کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام جس حیرت انگیز اور عظیم الشان انقلاب کا پیام بر بن کر آیا تھا وہ ایک ہمہ جہتی انقلاب تھا ایک ایسا عالم گیر انقلاب جس نے صدیوں کی فرسودہ روایات کو مٹا کر رکھ دیا، جس نے اخلاقی اور سماجی قدروں کو شائستگی اور تہذیب کا نیا تصور عطا کیا اور جس کی آفاق گیری نے قوموں اور ملکوں کے نظامہائے سیاست و تمدن کو تہ و بالا کر کے ایک نظام زندگی کی طرح ڈالی جو ہمہ گیر تھا۔ جس میں عدل و مساوات کے اصول کی پاسداری تھی اعتدال و توازن کی ہم آہنگی تھی، انسانیت و شرافت کی نگہداری تھی اور اعلیٰ اقدار حیات کی فرماں روائی تھی۔

بطحائے عرب کی سنگلاخ چٹانوں سے رشد وہدایت کا جو آفتاب نبوت آج سے چودہ سو برس قبل طلوع ہوا تھا اس کی ضیا باریوں سے جبر و ظلم کی تیرہ و تار فضا میں عدل و انصاف کا نور جگمگا اٹھا۔

انقلاب فرانس سے کم و بیش ایک ہزار برس قبل جو انقلاب مدینہ منورہ کی سر زمین سے ابھرا اس نے اسود و احمر کی تمیز ختم کر دی کالے اور گورے کا فرق مٹا دیا۔ عربی و عجمی کا امتیاز اٹھا دیا۔ رنگ و نسل کی تفریق اور امیر و غریب کا تفاوت یکسر محو کر دیا ایوان شہنشاہیت کے در و دیوار اس انقلاب کی صدائے بازگشت سے لرز لرز اٹھے ملوکیت کا قصر فلک پیما اس انقلاب کی زلزلہ انگیزی سے زمین بوس ہو گیا۔ قبائلی نخوت و رعونت کا سر کچل دیا گیا گروہی عصبیت پر کاری ضرب لگائی گئی قیصر و کسریٰ کی سطوت و جبروت داستان پارینہ بن کر رہ گئی۔ پاپائیت اور پروہت ازم کی مذہبی اجارہ داری کا قلع قمع کر دیا گیا۔

لیکن کیا کبھی ارباب علم و دانش نے اس سوال پر بھی غور کیا کہ یہ عظیم الشان اور آفاق گیر انقلاب جس تیزی سے آیا تھا اتنی ہی تیزی سے مٹ کیوں گیا آخر یہ کیا ہوا کہ ادھر انقلاب آفریں پیغمبر کی آنکھیں بند ہوئیں اور وہ اس دنیائے آب و گل سے رخصت ہوئے اور ادھر اس انقلاب کے اثرات اس طرح غائب ہوئے کہ دو چار برسوں کے اندر اندر وہ ساری قباحتیں جنہیں اسلام دنیا سے مٹا دینے کے عزم کے ساتھ اٹھا تھا مسلمان معاشرہ میں پوری شدت کے ساتھ پھیل گئیں اور اس کا اعتراف خود خلیفہ اول نے اپنے ایک بیان میں کیا انہوں نے اپنے نامزد کردہ جانشین سے کہا تھا۔

"احذرک ہولاء النفر من اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الذین قد انتفخت اجوافہم وعمت ابصارہم (ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)۔
میں تمہیں اس گروہ صحابہ کے بارے میں خبر دار کرتا ہوں جن کے پیٹ پھول چکے ہیں۔ اور جن کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔

حضرت ابوبکر کا دور خلافت افراتفری کا دور تھا اس دور میں انتشار و فساد کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ کسی منظم، با اصول اور انقلابی تحریک کے عین دور عروج میں اس سے پہلے اور اس کے بعد اس انداز کی ہنگامہ آرائی کبھی سننے یا پڑھنے میں نہیں آئی۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ خالصتاً مادیت کی بنیاد پر اٹھنے والی سیاسی اور سماجی اصلاح کی تحریک بھی اگر مخلص ہاتھوں میں ہو تو وہ کم و بیش چوتھائی صدی بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک اندرونی اختلاف اور بیرونی خلفشار سے محفوظ و مصئون رہی۔

اس سلسلہ میں ہمسایہ ملک ہندوستان کی حکمران پارٹی کانگریس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

جنگ آزادئ ہند کی علمبردار اس جماعت نے اپنی تحریک کا آغاز آج سے تقریباً ساٹھ برس قبل کیا تھا اس کے شرکاء۔ داراکین مختلف نظریات اور متعدد مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے ان میں علماء بھی تھے حکماء بھی، ادیب بھی تھے، خطیب بھی فلسفی بھی تھے دانشور بھی، اساتذہ بھی تھے معلم بھی، گنہگار بھی تھے۔ اور مہاتما بھی، ان میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی تھے۔ سکھ بھی تھے، عیسائی اور پارسی بھی،

اس تنوع کے باوجود ایک مقصد یعنی آزادیٔ ہند کے خاطر یہ لوگ ایک ہی کنبہ کے افراد اور ایک ہی خاندان کے اشخاص کی مانند برطانوی استعمار کے خلاف صف آرا ہوئے ان کے درمیان اختلاف کے ہزار ہا پہلو تھے مگر انہوں نے کبھی ان اختلافات کو حصول مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ اس کے صف اول کے رہنما مزاجی خصوصیات کے حامل رنگ ونسل ومذہب کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے بون بعید رکھتے تھے مگر نہ ان میں قیادت کے لیے کبھی کوئی جھگڑا ہوا۔ انہوں نے کبھی اپنے ساتھیوں کو سرعام رسوا کیا نہ ایک دوسرے کی پگڑی اچھالی نہ خویش پروری اور اقربا نوازی کا کھیل کھیلا۔

گاندھی جی کی مہاتمائیت اور مولانا ابوالکلام آزاد کی دینی اور علمی عظمت کے باوصف کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کانگریس کی تحریک ایک روحانی تحریک تھی تاہم اس کے صف اول کے قائدین کے اخلاق، ان کے کردار اُن کے چال چلن، ان کی دیانت وامانت اُن کی شرافت ونجابت کے بارے میں کبھی کوئی سکینڈل نہ بن سکا۔ یہ لوگ دنیا کی سب سے بڑی استعماری قوت کے خلاف برسرپیکار تھے جس کی پروپیگنڈہ مشینری اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ذرائع ابلاغ پر اس کی مکمل اجارہ داری کے باوجود ان حضرات کے دامن پر کوئی بدنما داغ نہ لگ سکا اور ان کی سیاسی عظمت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر رہی اقتدار پر آنے سے قبل اور اقتدار پر قابض ہونے کے بعد اس جماعت کی صف اوّل کی قیادت کسی ایسی بدعنوانی میں ملوث نہیں ہوئی جس قسم کی بدعنوانیوں کے تذکرے بعض جلیل القدر صحابہ کی مقدس شخصیتوں کے حالات میں بکثرت ملتے ہیں۔

خویش پروری، اقربا نوازی، جبر واستبداد، بیت المال میں تصرف بے جا، قومی خزانہ کا استحصال جنسی بے راہ روی، عیش وعشرت، جوڑ توڑ، سازش و سیسہ کاری، اخلاقی حدود کی پامالی غرضیکہ ہر وہ برائی جسے کسی مہذب معاشرہ میں برداشت نہیں کیا جا سکتا خلافت راشدہ کے اس دور میں اس کا چلن عام تھا۔

حالانکہ اسلام نظام زندگی میں جس ہمہ گیر انقلاب کا علمبردار بن کر اٹھا تھا وہ سراسر روحانیت پر مبنی تھا اس نظام کے ایک ایک شعبہ میں روحانیت اور تعلق باللہ کی کیفیت کچھ اس طرح رچی بسی ہوئی تھی کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں تھا کوئی بڑے سے بڑا بد باطن بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام کا تصور حیات مادیت کا پرتو لئے ہوئے تھا۔ اقتصاد کا شعبہ ہو یا معیشت کا کوئی پہلو، سیاست ہو یا تجارت، راعی ہو یا رعایا، حاکم ہو یا محکوم صنعت وحرفت ہو یا زراعت و کاشتکاری، پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر معاملۂ زندگی اور ہر کاروبار حیات میں خدا کی ہدایات اور خوف خدا کی پاسداری کا حکم دیا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام نے زندگی کو بحیثیت مجموعی تابع فرمان خداوندی بنانے پر زور دیا ہے۔

لیکن حالات کی یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اس سراسر روحانی تحریک کی قیادت جن لوگوں کے ہاتھ میں آئی اور جنہیں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد حضورؐ کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا ان کا کردار کیا تھا انہوں نے حضورؐ کے بعد جس طرز عمل کو اپنایا اور جس قسم کے اخلاق واوصاف کا مظاہرہ کیا گیا وہ ایک روحانی تحریک کے شایان شان تھا۔

گستاخ رسولؐ

سقیفۂ بنو ساعدہ میں جو کچھ ہوا وہ تو ہوا لیکن اس سے پہلے جس قسم کے واقعات رونما ہوئے وہ کچھ کم تعجب خیز ہیں اور کیا کسی بھی شریف النفس معاشرہ میں اس قسم کی صورتِ حالات کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جو بات دل و دماغ کو حیران و مضطرب کرتی ہے وہ ان لوگوں کی سرد مہری اور بے مروتی کا انداز ہے جو انہوں نے پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ روا رکھا۔

خلیفۂ دوم عمر ابن خطاب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں حضورؐ کے بارے میں جو گستاخانہ روش اختیار کی کیا اس کی کوئی اخلاقی توجیہ ممکن ہے غزالی جیسے متعصب سُنّی عالم نے جو شہادت امام حسین علیہ السلام کے تذکرے کو محض اس لیے حرام گردانتا ہے اور اس سے لوگوں کو صرف اس بناء پر روکتا ہے کہ اس سے بعض تیسرے درجہ کے صحابہ کی عظمت مجروح ہوتی ہے اس نے اپنی کتاب "سر العالمین" میں اس روایت کو درج کیا ہے کہ

ولما مات رسول اللہ صلے اللہ علیہ و الہ وسلم قال قبل وفاتہ ایتونی دوات و بیاض لازیل عنکم اشکال الامر و اذکر لکم من المستحق بعدی قال عمر دعوا الرجل فانہ یہجر و قیل یہذو

حضور نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل ارشاد فرمایا کاغذ اور دوات و قلم لاؤ تاکہ میں معاملہ کی الجھن اور اپنے بعد مستحق خلافت کی وضاحت

کردوں اس پر عمر ابن خطاب بولے اس شخص کی بات کو چھوڑ دو کہ یہ تو اس وقت بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ کہا یہ شخص تو ہذیان بک رہا ہے۔ (العیاذ اللہ ثم العیاذ نا اللہ)

ذرا انداز بیان ملاحظہ ہو شائستگی اور تہذیب سے اس انداز گفتگو کا دور کا بھی کوئی تعلق ہے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے "النبی" یا "الرسول" کہنا بھی گوارا نہیں ہوا اس کی بجائے "الرجل" (یہ شخص) کا گستاخانہ لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور پھر اس پر مستزاد "یہجر" یا "یہذو" (بہ اختلاف روایت) کی شرمناک جسارت جس کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ "یاوہ گوئی کر رہا ہے" یا "ہذیان بک رہا ہے"۔ کے سوا اور کچھ نہیں۔

بخاری اور مسلم میں بھی عبداللہ ابن عباسؓ کے حوالہ سے اسی مضمون کی ایک روایت ملتی ہے جس میں عمر ابن خطاب کی جانب مزید یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ "وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ" (تمہارے پاس قرآن جو موجود ہے اور اللہ کی کتاب تمہارے لیے کافی ہے) اسے کہتے ہیں "لقمان را حکمت آموختن"

سوال یہ ہے کہ آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم نہیں تھا کہ اللہ کی کتاب قرآن لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی ہے اب مزید کسی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ جب حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ (آؤ میں تمہیں ایک دستاویز لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کسی گمراہی کا شکار نہ ہو سکو) تو اس حکم کی مخالفت کیوں

کی گئی اور عمر ابن خطاب اس حکم کی تعمیل میں رکاوٹ کیوں بنے وہ کونسی اغراض مشئومہ تھیں جن کی تکمیل کی راہ میں حضورؐ کے اس فرمان کو یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا گیا کہ "ہمارے لیے قرآن کافی ہے" صاحب شریعت اور صاحب امر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلمؐ کی ذات گرامی تھی یا عمر ابن خطاب کی انہیں یہ کیسے جرأت ہوئی کہ وہ حضورؐ کے حکم سے ان کی بیماری کی آڑ لے کر سرتابی کی جرأت کریں۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو لوگ جو محبت رسولؐ کا دم ہوتے ہیں۔ حضورؐ کے نام پر انگوٹھے چومتے ہیں۔ حضورؐ پر صلاۃ وسلام کی محفلیں برپا کرتے ہیں اور خود کو "عشاق رسولؐ" کہتے ہیں انہوں نے کبھی سوچا کہ ان کی محبت وعشق رسولؐ کا تقاضا کیا ہے اور اس شخص کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے جو "لقمان را حکمت آموختن" کی ناروا جسارت کا مرتکب ہو رہا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک واضح اور صریح حکم کو یہ کہہ کر مسترد کر رہا ہے کہ حضورؐ، عیاذاً باللہ، ہذیان بک رہے ہیں والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ اس سے قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر ان حضرت نے سوء ادب کا ایسا ہی وطیرہ اپنایا تھا اور حضورؐ کو اس گستاخ شخص سے یہ کہنا پڑا تھا کہ "افی شک انت یا ابن الخطاب؟ (اے ابن خطاب! کیا تمہیں میری نبوت ورسالت میں کوئی شک ہے؟)۔

میں ان محبان رسولؐ سے پوچھتا ہوں کہ ان کا مرکز عقیدت ومحبت حضورؐ کی ذات گرامی ہے یا کوئی دوسرا شخص! اور اگر مقصود صرف حضورؐ کی ذات اقدس ہے تو ایسے گستاخ اور بے ادب شخص کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے جو یہ دیکھ کر

کہ حضورؐ بستر مرگ پر ہیں ان کے زمان کی یہ بیہودہ توجیہ کر رہا ہے کہ یہ حکم نہیں ہے بلکہ ہذیان اور بکواس ہے (معاذ اللہ)

اور یہ تو چھوٹے میاں کا قصہ ہے اب ذرا بڑے میاں کا قصہ سن لیں لیکن "بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ" کے اس تذکرہ سے قبل ایک دلچسپ حدیث پر نظر ڈال لیں جسے "من ترا ملا بگویم تو مرا حاجی بگو" کے ضابطے کا بہترین شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے اور "انجمن تحسین باہمی" کا اشتہار بھی

وعن جابر قال قال عمر لابی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقال ابوبکر اما انک ان قلت ذلک فلقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم یقول ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر (ترمذی)

جابرؓ کہتے ہیں عمر ابن خطاب نے ابوبکر کو یہ کہہ کر مخاطب کیا" اے رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر انسان"

اس پر ابوبکر بولے "تم اگر یہ کہتے ہو تو میں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے" عمر سے بہتر شخص پر آفتاب کبھی طلوع نہیں ہوا"

اس "تحسین ناشناس" اور داد کے اس دونگڑے سے تو عمر ابن خطاب کا خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوا بلکہ تمام انبیاء و رسل پر ان کی فوقیت ثابت ہو گئی۔

"انجمن تحسین باہمی" کی اس داد و دہش کے بعد اب بڑے میاں کا واقعہ سنئے اور سر دھنئے یعنی اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوگیا اور لوگوں پر یاس و حرمان کی کیفیت طاری ہوگئی تو اس موقعہ پر پہلے سے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت چھوٹے میاں تو تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے اور چلانے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا انتقال ہوگیا ہے میری تلوار اس کا سر قلم کر دے گی۔ اور بڑے میاں نے چھوٹے میاں کی اس للکار کو سن کر ایک تقریر جھاڑ دی اور کہا کہ **الا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت** "سنو! جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا تو محمدؐ مر گئے ہیں اور جو شخص اللہ کی پوجا کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔"

اہل سنت والجماعت ابوبکر کی اس تقریر کو ان کی عظمت کا شاہکار قرار دیتے ہیں اور اس تقریر کے حوالے سے ان کی فہم و فراست اور دور اندیشی اور تدبر و ذہانت کا چرچا کرتے ہیں انہوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اس تقریر میں کیسا زہر چھپا ہوا ہے ان چند الفاظ میں بے مروتی اور شوخ چشمی اور سرد مہری کی کیسی کج ادائی پنہاں ہے اور گستاخی اور بے ادبی کا کیسا مرقع ہے یہ تقریر بھلا ایک ایسے معاشرہ میں جسے خود حضور نبی اقدس واطہر صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تشکیل دیا ہو جس کی بنیاد توحید پر رکھی ہو جسے برسہا برس کی جان لیوا اور صبر آزما محنت کے بعد حضورؐ نے شرک و بت پرستی کی آلائشوں سے پاک کیا ہو اس میں ایسا کون بدبخت تھا جو حضورؐ کی پرستش کرتا ہو؟ کیا عمر ابن خطاب حضورؐ کی پوجا

کرتے تھے جنہوں نے بیماری میں حضورؐ کے ایک حکم کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ حکم نہیں ہے ہذیان ہے پھر آخر ابو بکر کو یہ کہنے کی جرأت کیوں کر ہوئی اور ان کا روئے سخن کس طرف ہے ؟ آج اس چودھویں صدی کے اواخر میں مسئلہ حیات النبیؐ دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہوں کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے اور اس باب میں گنتی کے چند افراد کو چھوڑ کر سب مسلمان یک زبان ہیں کہ حیات النبیؐ کا عقیدہ نہ رکھنے والا شخص ملحد و زندیق ہے ۔

ملتان میں اہل سنت کی مشہور دینی درسگاہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں گجرات (پنجاب) کے ایک پیشہ ور اور بدزبان مقرر عنایت اللہ شاہ بخاری نے آج سے دس پندرہ برس پہلے مسئلہ حیات النبی کی تردید کرتے ہوئے جب یہ کہا

"اگر محمدؐ مرا نہیں تھا تو صحابہ نے اس کو گڑھے میں کیوں گاڑا"

اس بدنہاد اور بدزبان شخص کی یہ گستاخانہ تقریر سن کر مدرسہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولانا خیر محمد نے اس مجلس میں یہ اعلان کیا کہ آئندہ ایسے کسی شخص کو جو عقیدۂ حیات النبیؐ پر یقین نہ رکھتا ہو مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں تقریر کی اجازت نہیں ہوگی ۔

لیکن عنایت اللہ شاہ بخاری کی تقریر سے بدمزہ ہونے والوں نے خلیفہ اوّل کی اس تقریر دل پذیر کو ان کی خطابت کا شاہکار قرار دیا ہے ۔ حالانکہ الفاظ و معانی کے اعتبار سے خلیفۂ اوّل کی تقریر کچھ کم اہانت آمیز نہیں ہے

جیسے عنایت اللہ شاہ بخاری کے بارے میں ان کے مریدین و معتقدین یہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" پیش کرتے ہیں کہ اس شخص کے مزاج پر توحید کا اثر غالب ہے

معذرت کا ایسا ہی انداز خلیفۂ اول کی اس تقریر کے بارے میں اختیار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ "سبحان اللہ کیا توحید بیان کی ہے ابوبکر نے" کوئی ان احمقوں سے پوچھے کہ توحید بیان کرنے کا بھی ایک موقعہ رہ گیا تھا کیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کے اعلان و تبلیغ میں کوئی کمی کی تھی جواب حضورؐ کے وصال کے بعد اس کے بے موقعہ و بے محل اظہار کی ابوبکر کو ضرورت پیش آئی۔ توحید کے اس بیجا اظہار سے خلیفۂ اول کا مقصد لوگوں کو شرک کی آمیزش سے بچانا نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کو خوفزدہ کرنا مقصود تھا جو حضورؐ کے وصال کے بعد یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا سرپرست و مربی دنیا سے اٹھ گیا ہے جنہیں یہ صدمہ تھا کہ وہ حضورؐ کے سایۂ دامانِ رحمت و شفقت سے محروم ہو کر تنہا رہ گئے ہیں۔ یہ دراصل دھمکی تھی خانوادۂ نبوتؐ کے ان افراد کو جنہیں خلیفۂ اول و دوم و سوم اور ان کے اعزہ واقارب اور ان کے حلیف قبائل ان کی دینی خدمات اور مجاہدانہ اقدامات کے سبب ناپسند کرتے تھے پھر یہ دھمکی تھی اس گروہ انصار کو جن کی خاطر حضورؐ کو ہمیشہ عزیز رہی اور جن کا حضورؐ بطور خاص خیال رکھتے تھے اور جن کے بارے میں حضورؐ نے امت کو خصوصی ہدایت جاری فرمائی تھی کہ اوصیکم بالانصار فانھم کرشی وعیبتی (بخاری عن انس) (میں تمہیں انصار کے بارے میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے جسم و جان اور محرم اسرار ہیں۔) اور جن کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی صراحت کے ساتھ یہ اعلان فرمایا تھا اور پیش گوئی کی تھی کہ لولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار ولو سلک الناس وادیا وسلکت الانصار

وادیاو شعبا لسلکت وادی الانصار و شعبها الانصار شعار والناس اثار انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض۔ ۔ اگر ہجرت کا مرحلہ پیش نہ آیا ہوتا تو میں بجائے خود انصار کا ایک فرد ہوتا اور اگر لوگ کسی ایک وادی اور گھاٹی کا رخ کریں اور انصار کسی دوسری جانب چلیں تو میں انصار ہی کی سنگت نہیں چھوڑوں گا انصار جان کے ساتھ ہیں دوسرے لوگوں کا نمبر ان کے بعد آتا ہے اے گروہ انصار تم میرے بعد شاید کسی ناروا سلوک سے دوچار ہو تو صبر کا شیوہ اختیار کرنا تا آنکہ حوض کوثر پر مجھ سے تمہاری ملاقات ہو۔

یہ ہے وہ خلافت راشدہ جو پیغمبرؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی پیغمبرؐ کے قریبی اور محبوب اشخاص کو آنکھیں دکھاتی انہیں گھورتی اور ان پر غرانے لگتی ہے اور انہیں دھمکاتی ہے کہ اگر تم نے ہماری غیر مشروط اطاعت نہ کی تو تمہیں کچل دیا جائے گا کیونکہ اب تمہارے ناز اٹھانے والا دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ خلیفہ اول نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا کر چھوڑا حضورؐ کے نامزد کردہ خلیفہ امام سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کو ان کے حق خلافت سے محروم کر دیا۔

دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دبے لفظوں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا رجحان طبع خلافت و نیابت کے باب میں حضرت سیدنا علی علیہ السلام کی جانب تھا جیسا کہ انہوں نے اپنے رسالہ "انتباہ المومنین" میں اس کی تصریح کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں۔

القصہ عجب نیست کہ دریں واقعہ ہم کم و بیش بمقتضائے طبیعت بشری و محبت نسبی میلان خاطر اقدس بجانب حضرت امیر رضی اللہ عنہ باشد۔[1]

تعجب ہے کہ جس میلان طبع کا علم مولانا قاسم نانوتوی کو چودھویں صدی ہجری میں ہو گیا اس سے خلیفۂ اوّل بالکل بے خبر رہے۔ بے خبر نہیں تھے لیکن وہ جن لوگوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے ان کی مرضی اور خواہش یہ تھی کہ سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کرم اللہ وجہہ کسی طور بھی مسند خلافت پر متمکن نہ ہو سکیں اور خلیفۂ اوّل نے صحیح معنوں میں ایک SHOW BOY یا ڈمی خلیفہ کا کردار ادا کیا۔

حضرت سیدنا علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے کے بعد دوسری بے مروّتی اور گستاخ چشمی کا مظاہرہ انہوں نے یہ کیا کہ حضورؐ کی لخت جگر سیدہ فاطمہؑ کو ان کے آبائی ورثہ سے محروم کر کے رکھ دیا یعنی خاندان نبوتؐ کو صرف سیاسی طور پر ہی نہیں اقتصادی طور پر بھی ذلیل و خوار کرنے کی سعی مذموم کی۔

پتہ نہیں محبت کی یہ کونسی ادا ہے اور عشق رسولؐ کا یہ کونسا نرالا دستور ہے کہ نہ حضورؐ کی خواہش کا احترام کیا گیا نہ حضورؐ کی اکلوتی اور چہیتی بیٹیؑ کے جذبات کی پاسداری کی گئی بلکہ الٹا انہیں رسوا کرنے کی شعوری کوششیں کیں اور خلیفہ اول و دوم دونوں نے اس معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حضورؐ کے نام پر

---

(1) رسالہ انتباہ المومنین ص ۶ از قاسم نانوتوی مطبوعہ ماہ شعبان ۱۳۵۲ھ باہتمام محمد عتیق صدیقی مینجر کتب خانہ قاسمی دیوبند)۔

گلچھرے اڑانے والے ان دونوں "اکابر مجرمین" کو اسلام کے نامور ہیرو قرار دیتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔

مرکز محبت کون ہے؟

علماء اہل سنت گردنیں ٹیڑھی کر کے اور آنکھیں گھما گھما کر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیوں اصحاب رسولؐ کی دشمنی پر اتر آئے ہو۔ میرا ایک ہی جواب ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں اگر تم نے تاریخ و حدیث وسیر کا مطالعہ غیر جانبدارانہ طریق پر کیا ہوتا اگر تمہارے سروں میں مغز ہوتا اور علم کے ساتھ عقل کا بدرقہ بھی استعمال کرتے اور اگر تمہیں دنیا کی ہر شخصیت سے زیادہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت گرامی سے محبت کا تعلق ہوتا تو یقیناً تمہارا ردعمل بھی وہی ہوتا جو میرا ہے۔ تمہارے سامنے شخصیتوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے ایک لاکھ سے زیادہ تو صحابہ ہی کی شخصیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کو تم نے نبی کا سا تقدس اور پیغمبر کی سی معصومیت عطا کر رکھی ہے پھر اس کے علاوہ تمہاری محبوب و مقدس شخصیتوں کا ایک جم غفیر ہے جو چودہ صدیوں کے ہر شب و روز اور ہر ماہ و سال پر محیط ہے تم ان میں سے ہر ایک کی بات کو فرمودۂ خدا و رسولؐ کی مانند حرف آخر سمجھتے ہو صحابہ کے اس جم غفیر کے بعد تابعین کی لاکھوں سے متجاوز تعداد ہے پھر تبع تابعین حد شمار سے فزوں ہیں اور اس کے بعد علماء و مشائخ اور فقہاء و ائمہ حدیث کا ایک نہ ختم

ہونے والا سلسلہ ہے پھر صوفیا اور ارباب خانقاہ کے سینکڑوں سے متجاوز لوگ ہیں کہیں پر شیخ عبدالقادر جیلانی ہے جنہیں تم نے "غوث اعظم" اور "پیر دستگیر" بنا رکھا ہے کہیں کوئی قطب الاقطاب ہے جو اپنی لن ترانیوں کا ڈنکا بجا رہا ہے کہیں کوئی شیخ وقت اور مجدد عصر ہے کہیں کوئی امام زماں اور محدث دوراں ہے۔ تمہاری جبین نیاز میں ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں اور ہزاروں آستانوں پر تمہارے سر خم ہو رہے ہیں ۔ بہ ذرہ ذرہ سجود دے نصیب تو شد آست

لیکن میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میرے نزدیک مرکز محبت صرف رسول اقدس محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے یا پھر ان کے اہل بیت اطہار ہیں جن کی محبت کا حکم بھی اسی ایک آستانۂ نبوت سے ملا ہے میں ان کی محبت کے پیمانہ سے انسانوں اور شخصیتوں کو ناپتا ہوں میرے نزدیک انسانوں کو تولنے کی میزان صرف محبت خدا و رسول ہے لیکن تم نے حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹ کر دوسری بیشمار اور ان گنت شخصیتوں کو معیار بنا رکھا ہے تم درحقیقت اس کیفیت سے دوچار ہو جسے شاعر نے اپنے الفاظ میں "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرھا" کا عجوبہ قرار دیا ہے۔

میں نے اکتساب ہدایت براہ راست اس سرچشمۂ ہدایت سے کیا ہے جس کا ہر لفظ شریعت اسلامیہ میں قانون کا درجہ رکھتا ہے میں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ اور غیر مشروط محبت کو حاصل دین و ایمان سمجھا ہے اور اس محبت ہی نے مجھے یہ راہ سجھائی کہ محبت کا

اولین تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس کے محبوب افراد سے بھی محبت کا معاملہ کیا جائے اب اس بات کو سمجھنے کے لیے بقراط ہونا شرط نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین شخصیتیں حضورؐ کے وہ افراد تھے جنہیں لسان نبوت دوحی نے "آلِ محمد" سے تعبیر کیا ہے۔ جن پر "عترت" کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے اور جنہیں "اہل بیت" کہا گیا ہے۔ یہ بالکل بدیہی عقل کی بات ہے اور معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اسے بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اولاد کی محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا ہے ایک ایسا تقاضائے جبلت جو صرف انسانوں میں نہیں جانوروں میں بھی ودیعت کیا گیا ہے فطرت کے تقاضوں کی تکمیل کا مظہر اتم ہوتا ہے پیغمبر اور فطرت کے مقاصد کی جیسی کچھ نگہداری پیغمبر کر سکتا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔

حدیث وسیر کی مستند کتابوں میں اس بے پایاں محبت کی جھلکیاں ملتی ہیں جو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اولاد سے اور آپ نے نواسوں سے تھی یہاں مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند ایک واقعات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ حضورؐ کی عظمت بشری کا وہ پہلو دنیا کی نظروں کے سامنے آسکے جو فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور جسے "اسوہ حسنہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سیدہ فاطمہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے حضورؐ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی حضورؐ سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہؑ سے رخصت ہوتے اور جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہؑ سے جا کر ملتے حدیث میں

آتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ جب اپنے والد گرامی سے ملنے آتیں تو حضورؐ از دیاد محبت میں استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے فلما دخلت علیہ قام الیہا وقبلہا واجلسہا فی مکانہ سیدہ فاطمہؓ جب حضورؐ کے پاس آتیں تو حضورؐ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ان کا ماتھا چومتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

ایک مرتبہ جب ابوجہل کے خاندان نے آنحضرتؐ کو محض پریشان کرنے کی خاطر یہ شوشہ چھوڑا کہ خود حضورؐ سے آکر اجازت طلب کی کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ حضرت علیؓ سے کرنا چاہتے ہیں تو حضورؐ سخت برہم ہوئے اور ارشاد فرمایا۔

فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما ارابہا ویؤذینی ما آذاہا (متفق علیہ)

فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اسکی پریشانی میری پریشانی ہے اور اس کا دکھ میرا دکھ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے ۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن ابغضہا ابغضنی ۔ (متفق علیہ)

فاطمہؓ میرا لخت جگر ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

سیدہ فاطمہؓ کی اولاد سے حضورؐ کو جو تعلق خاطر تھا وہ بھی مثالی نوعیت کا تھا ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت حسن علیہ السلام کے رونے کی آواز سنی آپؐ سیدہ فاطمہؓ کے ہاں پہنچے اور اُن سے فرمایا۔ " اَوَمَا علمت ان بکاءہ یوذینی " کیا تم نہیں جانتیں کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔

براءؓ کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ حضورؐ کے کاندھے پر سوار ہیں اور حضورؐ فرما رہے ہیں۔

خدایا میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اسے اپنی محبت سے نواز (متفق علیہ)
ابوہریرہؓ کہتے ہیں دن کے کسی حصہ میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لائے میں بھی حضورؐ کے ہمراہ تھا وہاں پہنچ کر حضورؐ نے پوچھا چھوٹا کہاں ہے کیا چھوٹا بچہ یہیں ہے؟ حضورؐ حضرت حسنؓ کے بارے میں دریافت فرما رہے تھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت حسنؓ بھاگتے ہوئے آئے اور دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اس عالم میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللھم انی احبہ فاحبہ واحب من یحبہ (متفق علیہ)
اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت رکھے اسے بھی اپنی محبت سے نواز۔ ایک روز حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خطاب فرما رہے تھے اسی دوران حضورؐ کے دونوں نواسے حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ آئے انہوں نے سرخ رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی اور وہ چلتے چلتے لڑکھڑا رہے تھے حضورؐ نے انہیں دیکھا تو منبر سے نیچے اتر کر ان کی طرف لپکے اور انہیں اٹھا کر اپنی گود میں لیا اور پھر اس حالت میں دوبارہ خطاب شروع فرمایا اس موقعہ پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: صدق اللہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ نظرت الی ھذین الصبیین یمشیان ویتعثران فلم اصبر حتی قطعت حدیثی ورفعتھما۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)
اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش

ہیں میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا میں نے تقریر ادھوری چھوڑی اور انہیں اٹھا لیا۔ پھر انسانیت نے محبتِ پدری کا ایک اور بےمثال مظاہرہ بھی دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سیدنا حسین علیہ السلام کو شانوں سے پکڑا ہوا ہے ان کے پاؤں حضورؐ کے پاؤں پر ہیں حضورؐ انہیں جھولا جھلا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "اوپر اٹھو اور اوپر اٹھو" حضرت حسین علیہ السلام بڑھتے بڑھتے حضورؐ کے سینہ اطہر پر اپنے پاؤں ٹکا دیتے ہیں حضورؐ ان سے فرماتے ہیں "اپنا منہ کھولو" وہ اپنا دہن مبارک کھولتے ہیں حضورؐ کے ہونٹوں کو چومتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں "خدایا میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کا معاملہ فرما"۔

ایک اور موقعہ پر جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک گلی میں سے گزر رہے تھے حضورؐ نے حضرت حسینؓ کو اپنے ہم عمر بچوں سے کھیلتے دیکھا تو انہیں پکڑنے کے لیے لپکے حضرت حسینؓ کبھی ادھر بھاگتے کبھی ادھر بھاگتے حضورؐ ان کا پیچھے کر رہے ہیں تا آنکہ حضورؐ انہیں پکڑ لیتے ہیں انہیں گدگداتے ہیں پھر اپنا ایک دست مبارک ان کی گردن کے پیچھے اور دوسرا ان کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر انہیں چومتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔ حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا۔ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں اللہ محبت کرے اس شخص سے جو حسینؓ سے محبت رکھے۔

محبت کے اس بے اختیار مظاہرہ کو دیکھ کر ایک شخص کہتا ہے حضورؐ

اپنے نواسے سے اس قدر پیار کرتے ہیں میں نے تو کبھی اپنے لڑکے کو بھی اس طرح نہیں چاہا۔ حضورؐ اس کی اس بات کو پسند نہیں فرماتے اور ارشاد فرماتے ہیں "جو شفقت نہیں کرتا رحمتِ خداوندی سے محروم رہتا ہے"

اسی نوع کی ایک روایت میں یعلی بن مرہ کہتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ حسینؑ منی وانا من الحسین احب اللہ من احب حسینا حسین سبط من الاسباط ۔ حسینؑ میرے وجود کا حصہ ہے اور میں حسینؑ کے وجود کا حصہ ہوں اللہ محبت کرنے اس شخص سے جو شخص سے محبت رکھے حسینؑ سبط پیغمبرؐ ہے۔

ان احادیث سے اس محبت و شفقت کا اندازہ ہوتا ہے جو حضورؐ کو اپنی اولاد سے اور اپنے نواسوں سے تھی یہ محبت ایک جذبۂ بے اختیار ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیوست کر دیا ہے اور چونکہ پیغمبر ایک مکمل انسان اور ایک کامل واکمل بشر ہوتا ہے اس لیے اس کے ہاں محبت کا یہ رنگ اور زیادہ گہرا ہوجاتا ہے۔

ان احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کو اپنی آل سے صرف اپنی اور ان کی ذات کی حد تک ہی محبت نہیں تھی بلکہ حضورؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی ان سے محبت کا برتاؤ کریں۔

سیدہ فاطمہؑ، سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ اور حضرات حسنینؑ علیہم السلام سے حضورؐ کی بے پایاں محبت کا ادراک اس پس منظر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ حضورؐ

اولادِ نرینہ سے محروم رہے اور حضورؐ کے دشمنوں کو سب سے زیادہ خوشی اسی بات کی تھی کہ حضورؐ کے بعد ان کی نسل منقطع ہو جائے گی لیکن حضورؐ کی لختِ جگر سیدہ فاطمہؑ کی شادی آغوشِ نبوت کے پروردہ علیؑ ابن ابی طالبؑ سے ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے اس مقدس جوڑے کو دو نونہال عطا فرمائے اور یوں حضورؐ کی ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل ہو گئی حضورؐ نے علیؑ اور فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا انہیں اپنا بیٹا کہا اور اس سلسلۂ نسب کو اپنی ذات کی طرف منتہی فرمایا اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں وہی پیار دیا جو ایک باپ اپنے بیٹوں کو دیتا ہے حتیٰ کہ تمام امتِ محمدیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ پوری نسلِ انسانی میں یہ اعزاز سیدہ فاطمہؑ کو حاصل ہے کہ ہر بچہ کا نسب اس کے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے مگر علیؑ اور فاطمہؑ کی اولاد کا شجرۂ نسب ماں کی جانب سے شروع ہوتا ہے۔

اولادِ فاطمہؑ سے حضورؐ کی بے پناہ محبت کا اندازہ حسبِ ذیل واقعات سے بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ اپنے ایک نواسہ کو اٹھائے ہوئے بازار میں سے گزرے تا آنکہ حضورؐ مسجد میں پہنچ گئے جب حضورؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو بچے کو اپنے قریب بٹھا لیا صحابہ کو دورانِ نماز بڑا تعجب ہوا کہ خلافِ معمول حضورؐ کا سجدہ بہت طویل ہو گیا جب نماز ختم ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپؐ نے سجدہ میں اتنی دیر لگائی کہ ہم نے یہ سمجھا کہ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے یا پھر دورانِ سجدہ نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے!

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ کل ذالک لم یکن ولکن ابنی ارتجلنی نکرھت ان اعجلہ حتی یقضی حاجتہ۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی بلکہ میرا بیٹا میرے ساتھ چمٹ گیا تھا تو میں نے گوارا نہ کیا کہ میں اس کو اسکی مرضی کے بغیر ہٹانے میں جلد بازی کروں بس اس وجہ سے دیر ہو گئی ۔

آل عبا

حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ وآلہ وسلم ایک روز صبح سویرے اس حال میں تشریف لائے کہ آپؐ نے منقش اونی چادر سیاہ رنگ کی اوڑھ رکھی تھی اتنے میں حضرت حسنؓ آگئے حضورؐ نے انہیں چادر کے اندر چھپا لیا پھر حضرت حسینؓ آئے وہ بھی چادر کے اندر چلے گئے پھر سیدۃ فاطمہؓ آئیں اور وہ بھی اس چادر کو اوڑھ کر بیٹھ گئیں پھر سیدنا علیؓ آئے اور حضورؐ نے انہیں بھی اپنی چادر کے اندر بٹھا لیا اس کے بعد حضورؐ نے قرآن مقدس کی یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ہ اللہ تعالےٰ نے یہ طے فرما لیا ہے کہ اے اہل بیت تمہیں ہر قسم کی آلودگی اور آلائش سے محفوظ رکھے اور طہارت و پاکیزگی سے آراستہ فرمائے سعد ابن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ جب آیت مباہلہ " تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللّٰہ علی الکذبین" (آؤ ہم اپنے

بیٹوں کو بلا لیتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے جی بلا لیتے ہیں تم اپنے جی بلا لو پھر ہم خُدا سے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ڈالیں) نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حضرت علیؑ، سیدہ فاطمہؑ اور حضرات حسنؑ و حسینؑ کو طلب کیا اور پھر بارگاہ خداوندی میں یوں دست بدعا ہوئے اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلاءِ اھل بیتی (خدایا یہی لوگ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ (مسلم)

آلِ رسولؐ سے بغض

دشمنان آلِ رسولؐ کا بغض اس درجہ متجاوز ہو چکا ہے کہ اب وہ خاندان نبوت کے ان افراد کو اہل بیتؑ تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں اور اس لفظ کا اطلاق صرف حضورؐ کی بیویوں تک محدود کرنے پر اپنا سارا زورِ بیان صرف کر رہے ہیں اور اس طرح خود اپنے ہی اسلاف کی تکذیب کر رہے ہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں حدیث کا مشہور مجموعہ مشکوٰۃ المصابیح تو اہل سنت کے درس نظامی کی اہم کتاب ہے اسی کے ابواب کی ترتیب پر اگر ایک نظر ڈال لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ محدثین کا رویہ اس باب میں کیا ہے رصاحب مشکوٰۃ المصابیح نے جہاں "مناقب" کا باب باندھا ہے وہاں "مناقب اہلبیتؑ" کا الگ عنوان مقرر کیا ہے۔ اور "مناقب ازواج النبیؐ" کا علیحدہ ذکر کیا ہے۔

گویا محدثین کو بھی اس امر کا احساس تھا کہ جب لفظ "اہل بیت" بولا جائے تو اس سے خانوادہ علیؑ ابن ابیطالبؑ" مراد ہے۔

خیر یہ تو ضمناً ایک بات نوک قلم پر آگئی کہہ یہ رہا تھا کہ سیدہ فاطمہؑ کی اولاد سے حضورؐ کو ایسی والہانہ محبت تھی کہ اگر حضورؐ کی حقیقی اولاد ہوتی تو شاید اس سے بھی اس سے زیادہ نہ ہوتی اور جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ صرف ایک بشری تقاضا ہی نہ تھا بلکہ بحیثیت ایک پیغمبر کے آپؐ کو ان بچوں سے جو توقعات تھیں کہ وہ آپؐ کے مشن کو دنیا میں زندہ رکھنے کے لیے ایسی معرکہ آرا خدمات سرانجام دینے والے ہیں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان کے احسانات کے ہمیشہ ممنون رہیں گے اور دنیائے اسلام میں ان کی خدمات جلیلہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبوب شخصیتیں

اب اس سلسلہ کی بعض دوسری حدیثیں سنئے حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں۔ دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم والحسن والحسین یلعبان علی صدرہ فقلت یارسول اللہ اتحبھما ؟ قال کیف لا احبھما وھما ریحانتای فی الدنیا (سیر الاعلام ج ۳ ص ۱۸۹-۱۹۰)

میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سینہ پر چڑھ کر کھیل رہے تھے میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ!

آپؐ کو ان سے بہت محبت ہے؟ فرمایا ان سے محبت کیسے نہ ہو دنیا میں یہی تو میرے پھول ہیں۔

حضرت عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ نے حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو پکڑ رکھا ہے اور فرما رہے ہیں۔

هذان ابنای فمن احبهما فقد احبنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی (سیر الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۸۹) یہ دونوں میرے بیٹے ہیں جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

محبت کی آخری حد یہی ہے کہ محبوب کا محبوب بھی اسی طرح مرکز محبت بن جائے جس طرح خود محبوب ہے اور اس کا دشمن اپنا دشمن نظر آئے اولادِ فاطمہؑ کے معاملہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امت سے ایسی ہی محبت کے طلبگار ہیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؑ کو سیدہ فاطمہؑ کو اور ان کے دونوں بچوں کو اپنی چادر میں چھپا لیا اور پھر ان کے حق میں یوں دعا فرمائی۔ اللهم هولاء اهلی وخاصتی اللهم اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا - خداوندا یہ میرے اہل بیتؑ ہیں اور خاصۂ خاندگان ہیں، الٰہ العالمین! انہیں ہر قسم کی آلائش سے دور رکھ اور انہیں طہارت ظاہری و باطنی سے خوب آراستہ فرمادے۔ (سیر النبلاء ج ۳ صفحہ ۱۹۰)

یزید بن حیان کہتے ہیں، میں اور حصین بن سبرۃ اور عمرو بن مسلم تینوں مل کر حضرت زید بن ارقم کے پاس گئے جب ہم ان کی خدمت میں بیٹھ گئے تو ہم میں سے حصین بن سبرہ نے عرض کیا، جناب زید! آپ کو خیر سے حصہ وافر عطا ہوا ہے آپ نے ان آنکھوں سے حضور سرورِ کائنات محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رُخِ انور کی زیارت کی ہے۔ آپ نے حضورؐ کے ارشاداتِ عالیہ اپنے ان کانوں سے سُنے ہیں آپ نے غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شرکت کی ہے اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے حضورؐ کی اقتدا میں نماز ادا کی ہے۔ غرضیکہ آپ نے خیر کثیر سے بہرۂ وافر حاصل کیا ہے اس لیے ہم حاضر ہوئے ہیں کہ آپ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ سے ہمیں بھی محظوظ فرمائیں۔ حضرت زید بن ارقم نے فرمایا:

بھتیجے! میری عمر بھی زیادہ ہوگئی ہے وقت بھی بہت بیت چکا ہے اور اب مجھے بہت سی باتیں حضورؐ کے ارشادات کی ٹھیک سے یاد بھی نہیں رہی ہیں پھر بھی جو کچھ یاد ہیں وہ سنائے دیتا ہوں جو یاد نہیں رہیں ان کے بارے میں مجھے معذور سمجھو اس کے بعد حضرت زید بن ارقم گویا ہوئے۔

ایک روز حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان اس چشمہ کے مقام پر جسے "خم" کہتے ہیں ہمیں خطاب فرمایا خدا کی حمد وثنا کے بعد حضورؐ نے ہمیں پند ونصیحت کی بہت سی باتیں بتائیں اس کے بعد حضور نے فرمایا الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم ثقلین اولھما کتاب

الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به
(فحث على كتاب الله ورغب فيه) ثم قال - واهل بيتي اذكر
كم الله فی اهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی -

ترجمہ:- لوگو سنو! میں ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پروردگار کا نامبر موت کا سندیسہ لے کر آجائے اور میں اس دعوت کو قبول کر لوں میں تمہارے اندر دو چیزیں جو نہایت بھاری بھرکم ہیں چھوڑے جا رہا ہوں پہلی چیز تو اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اسی سے تمسک کرو (حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مقدس کی اہمیت پر بطور خاص توجہ دلائی اور اس کی اتباع پر ابھارا) پھر حضورؐ نے دوسری بات کا ذکر فرمایا۔ دوسری چیز' میرے اہل بیتؑ ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیتؑ کے معاملہ میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں' میں تمہیں اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں (یہ حضورؐ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا)۔

حصینؑ بن سبرۃ نے جناب زید بن ارقم سے پوچھا حضورؐ کے اہلبیتؑ کون ہیں کیا حضورؐ کی بیگمات آپؐ کے اہل بیتؑ میں شامل نہیں ہیں؟ زید بن ارقم نے فرمایا آپؐ کی بیگمات بھی آپؐ کی اہل بیتؑ ہیں لیکن یہاں اہل بیتؑ سے مراد خاندان کے وہ افراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ حصین نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ زید بن ارقم نے کہا اہل بیتؑ سے مراد حضرت علیؑ کی اولاد' حضرت جعفرؑ اور عقیلؑ بن ابی طالبؑ کی اولاد اور اور حضرت عباسؑ کی اولاد ہے پھر انہوں

نے کہا۔ یہ سب وہ اہل بیت ہیں جن پر صدقہ حرام ہے (مسلم)۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس حدیث میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اہل بیت کے بارے میں دو مرتبہ بطور خاص تنبیہہ فرمائی ہے اس پر بعض ناسمجھ لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اپنے اہل بیتؑ کی پاسداری اور ان کی رعایت ملحوظ رکھنے کی یہ تاکید پیغمبرانہ مقام کی عظمت کے منافی ہے اور ایسی تمام روایتیں موضوع ہیں کیونکہ ان روایات سے پیغمبرؑ پر خویش پروری اور اقربا نوازی کا الزام عائد ہوتا ہے۔

لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس پس منظر میں اس قسم کی ہدایت فرمائی ہے اگر اسے پیش نظر رکھا جائے تو ایسے تمام اعتراضات لایعنی اور مہمل قرار پاتے ہیں۔

حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت ایک ایسے ماحول میں ہوئی جہاں قبائلی نظام اپنی پوری عصبیتوں کے ساتھ قائم تھا نبوت و رسالت ایک موہبت خداوندی اور ایک عطیۂ الٰہی ہے یہ کسی فرد کی ذاتی کاوش یا خاندانی جد و جہد کا نتیجہ نہیں ہوتی نہ یہ کسی انسان کے پہلے سے سوچے ہوئے منصوبہ کا کوئی حصہ ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کو یہی منظور تھا کہ خانوادۂ بنو ہاشم کے ایک فرد فرید کو نبوت و رسالت کا یہ لازوال اعزاز نصیب ہو حکمت خداوندی کے اس اقتضاء میں نہ حضورؐ کے ارادے کو

دخل نہ تھا نہ آپؐ کی خواہش کو ارشاد ربانی ہے۔ اللہ یصطفے من الملائکۃ رسلا ومن الناس ان اللہ سمیع بصیر۔ اللہ تعالےٰ ملائکہ میں سے اور انسانوں میں سے پیغمبروں کا انتخاب فرماتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کے لیے کسے منتخب فرما رہا ہے۔)

قبائلی زندگی میں کسی ایک قبیلہ کا کسی خاص اعزاز سے متصف ہونا یقیناً حسد و رشک کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مقدس کے چھٹے پارے میں آدمؑ کے دو بیٹوں کے درمیان رقابت کا تذکرہ کیا گیا ہے دونوں نے خدا کے حضور اپنی قربانیاں پیش کیں ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی مسترد' جس کی قربانی آسمانی فیصلہ کے تحت رد کر دی گئی تھی اس نے اپنے بھائی کو صرف اس ناکردہ گناہی میں قتل کر دیا کہ خدا کی بارگاہ میں اس کا نذرانۂ عقیدت شرف قبول سے کیوں نوازا گیا۔

حضورؐ کے معاملہ میں بھی یہی صورت حال رونما ہوئی اور عرب کے دوسرے قبیلے خانوادۂ بنو ہاشم سے جلنے لگے سیاسی غلبہ سے قبل بھی قبائل عرب کو خاندان بنو ہاشم سے شدید رقابت تھی لیکن جب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سیاسی غلبہ حاصل ہو گیا تو یہ رقابت قبائلی عصبیت سے بڑھ کر کھلی دشمنی کی صورت اختیار کر گئی اس دشمنی میں جو قبیلے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پیش پیش تھے ان میں بنی امیہ' بنی مغیرہ اور بنی مخزوم کے قبائل کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اس کا اظہار خود

زبان نبوتؐ سے بھی ہوا یہ تینوں قبیلے اور ان کے زیرِ اثر حلیف قبائل بر بنائے حسد خاندان نبوتؐ سے خار کھاتے اور انہیں مبغوض سمجھتے تھے اس کی شکایت ایک مرتبہ حضورؐ کے چچا محترم حضرت عباسؓ نے بھی کی ذیل کی حدیث سے اس کی توثیق ہوتی ہے ۔ عن عبد المطلب بن ربیعہ ان العباس دخل علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مغضبا و انا عندہ فقال ما اغضبک؟ قال یا رسولؐ اللہ ا مالنا ولقریش اذا تلاقوا بینہم تلاقوا بوجوہ مبشرۃ واذا لقونا لقونا بغیر ذلک فغضب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حتی احمر وجہہٗ ثم قال والذی نفس بیدہ لایدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للّٰہ ولرسولہ ثم قال ایہاالناس من آذی عمی فقد آذانی فانما عم الرجل صنو ابیہ

(ترمذی)

عبد المطلب بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلبؓ غصہ کے عالم میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس آئے، میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا برہمئ مزاج کا سبب کیا ہے؟ حضرت عباسؓ کہنے لگے۔ یا رسولؐ اللہ یہ قریش ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہیں۔ جب آپس میں ملتے ہیں تو ہنستے مسکراتے چہروں کے ساتھ اور جب ہمیں دیکھتے ہیں اور ہم سے ملتے ہیں تو نہایت روکھے پھیکے انداز میں یہ سن کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم غضبناک ہو گئے اور خود غضب سے آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر حضورؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایمان کسی شخص کے دل میں

داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تم سے اللہ کے لیے اور اللہ کے رسُول کی خوشنودی کی خاطر محبت نہ رکھے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لوگو! جس نے میرے چچا کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے دکھ دیا۔ کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے" حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ کو بھی اس کا شکوہ تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے وہ فرماتے ہیں شکوت الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حسد الناس لی فقال اما ترضیٰ ان تکون رابعة اربعة اول من یدخل الجنة انا وانت والحسن والحسین وازواجنا عن ایماننا وشمائلنا وذریتنا خلف ازواجنا۔ (میں نے حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس بات کا گِلہ کیا کہ لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں اسپر حضورؐ نے فرمایا کیا تمہیں اس حسد کے مقابلہ میں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم ان چار آدمیوں میں سے ایک ہو جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے ایک میں ہوں تم ہو، تمہارے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ اور ہماری بیویاں اور ان کی اولاد جو ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے ہوں گی۔

قبیلہ بنو ہاشم سے دوسرے قبائل عرب کی برہمی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ظہورِ اسلام کے ابتدائی ایام میں اور عہدِ نبوت کے آغاز میں یہ قبیلہ بنو ہاشم کے سورماؤں کا دبدبہ تھا کہ سردارانِ قریش حضورؐ کو اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت سیدنا ابو طالبؑ حضورؐ کے عمِ محترم جن کے بارے ٹکے کے ضمیر فروش مُلّا کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور جنہیں حضورؐ سے ایسا کرتے ہوئے ذرہ بھر شرم محسوس نہیں ہوتی ان کا واقعہ تو مشہور ہے کہ جب زعماءِ قریش نے ان سے آکر حضورؐ کی شکایت

کی اور مطالبہ کیا کہ اپنے اس بھتیجے کو روکیں جو ایک نئے دین کی تبلیغ کے نام پر ہمارے آباء و اجداد کو بیوقوف گردانتا اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔" تو حضرت ابو طالبؑ نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بلایا اور ان سے فرمایا۔

یا ابن اخی! ان قومک قد جاؤنی فقالوا کذا و کذا الذی قالوا لہ فابق علیّ و علی نفسک ولا تحملنی من الامر ما لا اطیق قال فظن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انہ قد بدا لعمہ فیہ بدو انہ خاذلہ و مسلمہ و انہ قد ضعف عن نصرتہ والقیام معہ قال فقال لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ° یا عم! واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ہذا الامر حتی یظہرہ اللہ او اہلک فیہ ما ترکتہ"

قال ثم استعبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فبکی ثم قام فلما ولی ناداہ ابو طالب فقال اقبل یا ابن اخی فاقبل علیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فقال اذھب یا ابن اخی فقل ما احببت فواللہ لا اسلمنک لشیئ ابدا (البدایۃ والنہایۃ ۳ ص ۴۸)

بھتیجے! تیری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھ سے یہ کچھ کہا اور وہ ساری بات دہرائی جو ان لوگوں نے آپ کے بارے میں ان سے کی تھی، اس لئے تم مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنی جان پر بھی اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کا اٹھانا میرے بس سے باہر ہو۔ راوی کہتا ہے حضرت ابو طالبؑ کی اس بات سے حضورؐ کو یہ گمان گذرا کہ اب ان کے چچا کا ارادہ یہ ہوا ہے کہ وہ انہیں تنہا چھوڑ دیں اور

دشمنوں کے حوالے کردیں اور اب وہ ان کی حمایت میں ڈھیلے پڑ گئے ہیں اور ان کی پشت پناہی سے گریز کر رہے ہیں راوی کہتا ہے' حضور نبی اکرم صلے اللہ وآلہ و سلم نے اپنے عم گرامی سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔

عم محترم! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند کہ میں اس دعوتِ اسلام کو ترک کردوں تو یہ ممکن نہیں دو ہی صورتیں ہیں یا اللہ اس مشن کو غالب فرمادے یا پھر میں اس راہ میں ہلاک ہو جاؤں لیکن میں اس مشن کو ترک نہیں کروں گا۔ راوی بیان فرماتا ہے یہ کہہ کر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جی بھر آیا حضورؐ رو پڑے اور اٹھ کھڑے ہوئے جب وہاں سے چلنے لگے تو حضرت ابو طالبؓ نے فرمایا۔ بھتیجے! ادھر سنو حضورؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے تب ابو طالبؓ نے فرمایا۔ بھتیجے! جاؤ جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو بے دریغ اور بلا جھجک کہو اللہ کی قسم تمہیں ذرہ بھر گزند بھی نہیں پہنچنے دوں گا۔"

قبیلہ بنو ہاشم کے وہ افراد بھی جو اسلام نہیں لائے تھے بربنائے عصبیت حضورؐ کی حمایت و نصرت کو اپنا فرض سمجھتے تھے سوائے ایک ابو لہبؑ کے جس نے اپنی بیویؑ کے دباؤ میں آکر جو ابو سفیانؑ کی بہن تھی حضورؐ کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا باقی سب ہاشمی حضورؐ کے لیے لڑنے مرنے پر تیار رہتے تھے حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام بھی اسی قسم کے ایک واقعہ کا ردِ عمل تھا جب ابو جہل نے حضورؐ کی شان میں بد زبانی کی تو حضرت حمزہؓ جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے ابو جہلؑ کی اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے اور بھری مجلس میں ابو جہلؑ کی پٹائی کر دی اور آکر حضورؐ کو بتایا کہ بھتیجے! میں نے ابو جہلؑ کی پٹائی کر دی اور آکر حضورؐ کو بتایا کہ بھتیجے! میں نے ابو جہلؑ سے تمہارا انتقام

لے لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں ہوئی ہاں البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو یہ ایک خوش کن اور خوش آئند بات ہوگی"۔

اس واقعہ سے بہ خوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی ذات کے لیے کسی انتقام کے خواہش مند نہ تھے حضورؐ کو صرف یہی ایک لگن تھی کہ ان کے قبیلے کے لوگ بھی اور دوسرے قبائل سے تعلق رکھنے والے بھی توحید الٰہی کی اس دعوت کو قبول کر لیں جسے وہ لے کر اٹھے ہیں۔ لیکن حضورؐ کی اس غیر متعصبانہ روش کے سراسر برعکس قبائل قریش تعصب کی جس روش پر گامزن تھے اس کا ایک ادنیٰ مظاہرہ شعب ابو طالبؑ میں تین برس تک مسلمانوں کا محصور رہنا تھا اس پورے عرصہ میں قبائل قریش نے مسلمانوں بالخصوص قبیلہ بنو ہاشم کا مکمل سوشل بائی کاٹ کئے رکھا حضرت ابو طالبؑ بھی آزمائش کی اس سخت گھڑی میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔

بہر حال قبیلہ بنو ہاشم کا ہر فرد ابولہب کو چھوڑ کر حضورؐ کے ہر مشکل وقت میں آپؐ کا ساتھ دیتا رہا اور اس طرح اسلام دشمن قبیلوں کو اپنے مقاصد میں ناکامی ہوتی رہی اور اسی لیے قبائل قریش بنو ہاشم کے درپئے آزار رہتے تھے۔ بنو ہاشم کی حضورؐ کو غیر مشروط نصرت و حمایت حاصل تھی اس کا ایک واضح ثبوت بیعت عقبۂ ثانیہ کے موقعہ پر حضرت عباسؓ بن عبد المطلبؓ کی انصار مدینہ سے ملاقات تھی حضرت عباسؓ اس وقت تک اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے انصار مدینہ سے اس امر کی ضمانت طلب کی تھی کہ مدینہ میں حضورؐ کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔

مدینہ منورہ میں بھی دیگر قبائل قریش کے مسلمان افراد سے کہیں زیادہ حضورؐ کے

دست و بازو بننے کا شرف یا تو بنو ہاشم کو حاصل تھا یا پھر گروہ انصار کے جیالے جوان تھے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؑ اور حضرت عبیدہؓ ابن حارث جنہوں نے جنگِ بدر میں مبازرت کے پہلے معرکہ میں دادِ شجاعت دی حضورؐ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کی تیغ خارا شگاف نے عرب کے ایک نامور سردار عتبہؓ ابن ربیعہ کو کیفر کردار تک پہنچایا حضرت علیؑ نے عتبہؓ کے بھائی اور بیٹے کو جہنم داصل کیا۔ یہ عتبہ معاویہؓ کا نانا یعنی اس کی ماں ہندہؓ کا باپ تھا ولید ہندہؓ کا بھائی اور شیبہؓ اس کا چچا تھا۔

ہندہؓ نے اپنے باپ کا انتقام جنگِ احد میں اس وحشیانہ طریق پر لیا کہ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کے مقدس جسم کا مثلہ کیا، ان کا خون پیا، ان کا کلیجہ چبایا ان کے اعضائے رئیسہ کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔ لعنھا اللہ و بعلہا و بینہا۔

ڈھول کا پول

آج جن صحابہ کی نام نہاد عظمت کا ڈنکا بجایا جا رہا ہے جن کی فضیلت کی داستانیں منبر و محراب سے دنیا کو سنائی جا رہی ہیں اور جنہیں افضل البشر بعد الانبیاء پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں سے افضل کے خود ساختہ خطابات دیئے جا رہے اور "لو کان بعدی نبیا لکان عمر" میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا، کے من گھڑت افسانے بیان کئے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کا نام بھی کسی جنگ میں نبرد آزما کی حیثیت سے تاریخ میں مذکور نہیں ہے نہ ابوبکر کا نہ عمر کا نہ عثمان

کا بلکہ خلیفۂ دوم اور خلیفۂ سوم کے متعلق تو تاریخ کی صریح شہادت ہے کہ غزوۂ احد میں فرار ہو جانے والوں میں اور میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنے والوں میں یہ دونوں بزرگ بھی شامل تھے۔

جنگ کا سارا بوجھ تو حضرت سیدنا علیؑ کے کاندھوں پر تھا یا پھر گنتی کے چند مہاجر اور بیشتر انصار تھے جو فداکاری اور جاں نثاری کے جذبہ کے ساتھ ہر معرکہ میں حصہ لیتے تھے اہل سنت کی کسی ایک معتبر یا غیر معتبر کتاب میں خلفا ثلاثہ کی نبرد آزمائی اور جنگ جوئی کا کوئی واقعہ نہیں ملتا غزوہ خندق میں جب عرب کا ایک سورما گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق کے اس پار آ گیا اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لیے للکارا تو بارگاہ نبوت میں اس وقت ابوبکر بھی موجود تھے اور عمر بھی لیکن اس للکار کا جواب صرف اور صرف سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے دیا کسی دوسرے صحابی نے مقابلہ پر آمادگی کا اشارۃً بھی کوئی ذکر کیا ہو تو اس کا نام پیش کیا جائے اور بالآخر ضربِ حیدری ہی نے اس دشمنِ خدا و رسول کا کام تمام کیا کسی اور کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند۔

غزوۂ خیبر کے معرکہ میں ابوبکر و عمر دونوں کا نام آتا ہے مگر اس صراحت کے ساتھ کہ انہیں فتح خیبر کے لیے بھیجا گیا مگر یہ دونوں بزرگ ناکام لوٹے تب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کرار غیر فرار لا یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ۔

کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے

والا ہے اور اللہ و رسولؐ کو بھی اس سے محبت ہے۔ جو زور دار حملہ کرنے والا ہے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے والا نہیں ہے وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گا جبتک اللہ تعالے اس کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح نصیب نہ کردے۔ چنانچہ قرعہ فال سیدنا علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے نام پڑا اور خیبر کا معرکہ انہی کی دلاوری اور بے مثال شجاعت سے فتح ہوا۔

سوال یہ ہے کہ وہ ساری جنگیں جو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں لڑی گئیں اور جن میں حضرت علی علیہ السلام نے داد شجاعت دی کیا وہ حضورؐ کے ذاتی اقتدار کے لیے یا خاندان بنوہاشم کی بالادستی کے لیے لڑی تھیں اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر ساری محبت ہی ختم ہوجاتی ہے اور کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس صورت میں حضورؐ کے خاندان قبیلہ بنو ہاشم سے قبائل قریش کی دشمنی سمجھ میں آسکتی تھی۔ لیکن اگر یہ حق و باطل کی جنگ تھی اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے یا اپنے خاندان کے اقتدار کی جنگ نہیں لڑ رہے تھے بلکہ توحید خداوندی کی تبلیغ و اشاعت اور دین اسلام کی سربلندی حضورؐ کا مطمح نظر تھی تو وہ قبائل جو طوعاً یا کرہاً حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے ان کی حضورؐ کے خاندان سے دشمنی کا کیا جواز تھا۔

ان قبائل کو چھوڑیئے جو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے سرنگوں ہوگئے۔ ان میں اگر حضورؐ کے یا حضورؐ کے خانوادے کے خلاف حسد و بغض کے پنہاں جذبات موجود تھے تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

لیکن آج جن لوگوں کو حضورؐ کے بہت قریبی اور قابل اعتماد ساتھی ثابت کرنے

پر سارا زور ایمان و بیان صرف کیا جا رہا ہے اور جن کو حضورؐ کے بعد اس امت کی باگ ڈور پر قبضہ کرنے کا موقعہ ملا کیا یہ ان کی اخلاقی ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ کم از کم ایسے افراد کو امت پر مسلط نہ کریں جن کی حضورؐ سے خاندانی دشمنی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

ابوسفیانؓ کا خاندان بنو ہاشم کا زبردست رقیب تھا اور یہ کشمکش بہت پہلے سے چلی آ رہی تھی جب اللہ رب العزت نے بنو ہاشم کو نبوت و رسالت کے اعزاز سے نوازا تو اس رقابت نے بڑھ کر عداوت کی شکل اختیار کر لی حضورؐ کو زک پہنچانے میں اس بدباطن شخص نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن جب اسلام ایک غالب قوت بن کر ابھرا اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو یہ دشمن خدا اور رسولؐ بادلِ ناخواستہ مسلمان ہو گیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ابوسفیانؓ نے اپنے قبولِ اسلام کا ڈھونگ رچانے کے باوجود اس بات کو کبھی فراموش نہیں کیا کہ اسکو اس کے حریف قبیلہ نے بساطِ سیاست پر ایسی شکست فاش دی ہے کہ جب تک وہ اس کا بدلہ نہیں لے گا اسے کسی کل چین نہیں پڑے گا چنانچہ یہ اسی کی درپردہ سازش کا ایک روپ تھا کہ ابوبکر و عمر دونوں نے پیغمبر علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خانوادۂ بنو ہاشم کو رسوا کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اس طرح حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی جو آپؐ نے سیدنا علیؑ کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر فرمائی تھی کہ ضغائن فی صدور الاقوام لا یبدو نہا لک الا من بعدی (کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۸ - ریاض النضرہ محب الطبری ج ۲ ص ۲۱۰)

"لوگوں کے دلوں میں تمہارے خلاف جو بغض و عناد اور کینہ و پیکار کے جذبات پنہاں ہیں میرے دنیا سے جانے کے بعد وہ لوگ اس کا اظہار کریں گے۔

حضرت سیدنا علی علیہ السلام کو حضورؐ کے وصال کے بعد جس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا اور یہ سلسلہ آپؑ کی نسلوں تک ممتد ہوا تو اس کی بڑی وجہ بھی وہی بغض و حسد تھا جو شتر کینہ رکھنے والی عرب قوم کی طینت بن چکا تھا لیکن اس کے ذمہ دار نہ تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے نہ آپؐ کے خاندان کا کوئی دوسرا فرد، دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے حضورؐ نے جو جد و جہد فرمائی اور اس راہ میں سیدنا علیؑ نے جو گراں قدر خدمات سر انجام دیں اس کا مقصد بنو ہاشم کے اقتدار کی راہ ہموار کرنا نہیں تھا بلکہ ایک بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح اور ایک زبوں حال قوم کی درستگی مقصود تھی اور اس راہ میں جو قوتیں مزاحم ہو رہی تھیں ان کی سر کوبی ایک قدرتی عمل تھا جس کے بغیر چارۂ کار نہیں تھا۔

بنا بریں حضورؐ کے اپنے اہل بیت بالخصوص سیدنا علی علیہ السلام کے معاملہ میں حساس ہونا خویش پرور اور اقربا نوازی کا معاملہ نہیں تھا کیونکہ اگر یہ خویش پروری تھی تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ہاں اس کا معمول تھا آخر کیا ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے اسمٰعیلؑ اور اسحاق علیہم السلام اور اسحاقؑ کے بیٹے یعقوب علیہ السلام اور یعقوبؑ کے بیٹے یوسف علیہ السلام کی نبوت خویش پروری اور اقربا نوازی پر محمول کی جائے گی؟ اللہ رب العزت کی سنت یہ اور اس کا طریق کار یہ رہا کہ اگر پیغمبر کی اولاد یا اس کا قریبی کوئی رشتہ دار خدائی مشن کا وفادار اور مقصد نبوت اور رسالت کی امانت کا اہل تھا تو اسے دوسروں پر ترجیح دی گئی۔ سیدنا علی علیہ السلام کی پوری زندگی اس امر کی آئینہ دار ہے کہ اسلام ان کی فطرت کا خمیر بن چکا تھا۔ سیدنا علیؑ نے ایک موقعہ پر اپنی اس کیفیت کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا تھا۔

"وَاللہ، لو اعطیت الاقالیم السبعة بما تحت افلاکہا علی ان اعصی اللہ فی نملة اسلبہا جلب شعیرة ما فعلتہ وان دنیاکم عندی اھون من ورقة فی فم جرادة تقضمہا ما لعلی ولنعیم یفنی ولذة لا تبقی۔"

"بخدا اگر مجھے ہفت اقلیم کی سلطنت آسمانوں کی بادشاہت کے ساتھ پیش کی جائے اور اس کے عوض مجھ سے یہ توقع رکھی جائے کہ میں اللہ تعالےٰ کی اتنی سی نافرمانی کردوں کہ چیونٹی کے منہ سے اس کا نوالہ چھین لوں تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور یہ تمہاری دنیا میرے نزدیک ٹڈی کے منہ کے اس پتہ سے بھی زیادہ حقیر ہے جسے وہ چبا رہی ہو دنیا کی مٹ جانے والی نعمتوں اور ناپائیدار لذتوں سے علی ابن ابیطالب کا کیا واسطہ"

جس شخص کے دل کی یہ کیفیت ہو، جو پروردۂ آغوش نبوت ہو، جو ہر معرکہ حق و باطل میں حق کے لیے نبرد آزما رہا ہو جو اپنے اقران و اماثل میں دین حق کی سربلندی کے لیے ہر جنگ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بے دریغ نکل پڑا ہو اسے اگر یہ شرف بھی حاصل ہو کہ وہ حضورؐ کا ابن عم، حضورؐ کے خاندان کا فرد فرید اور حضورؐ کی اکلوتی بیٹی کا شوہر ہو تو کم از کم محمد رسول اللہ کی محبت کا دم بھرنے والوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اسی کی ذات کو فوقیت دیں اور اس پر کسی ایرے غیرے کو ترجیح نہ دیں۔ لیکن اہل سنت کی منطق نرالی ہے وہ اسے پیغمبرؐ کی خویش پروری اور اقربا نوازی پر محمول کرتے ہوئے ذرا سا خوف خدا اور پیغمبرؐ کی شرم ملحوظ نہیں رکھتے۔

شاہ اسمٰعیل کی شہادت

شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی جو خاندان ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ تھے انہوں نے

"منصب امامت" نامی ایک کتاب تالیف کی ہے۔ شاہ صاحب کی شخصیت اہل سنت ہی کے دو طبقوں میں سخت متنازعہ فیہ رہی ہے دونوں حضرات انہیں دشمن رسول ص اور وہابی قرار دیتے ہیں جبکہ دیوبندی اور اہل حدیث انہیں اپنا ایک حقیقی مذہبی پیشوا مانتے ہیں وہ اپنی توحید کے تجریدی تصور کے باوجود اور کٹر وہابیت کے باوصف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد منصب امامت پر سیدنا علی ابن طالب فائز ہوئے اور اس کا اظہار انہوں نے اپنی بحوالہ بالا کتاب میں ایک جگہ نہیں کئی جگہ کیا ہے۔ نبی اور امام کے فرائض منصبی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ وہ رقمطراز ہیں۔

"نبی اور اس کے (امام کے) درمیان سوائے منصب نبوت اور کوئی فرق نہیں جیسا کہ حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا۔ "انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی"۔ (تم میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہو جو موسیٰؑ کے لیے ھارونؑ تھے الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا)
(منصب امامت صـ ۱۰۳)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"اسی طرح امام کو بھی دنیا و آخرت میں اس ریاست کے مانند مبعوث الیہم (یعنی جن کی طرف پیغمبر مبعوث ہوا ہے) سے نسبت ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے الستم تعلمون انی اولی بالمومنین من انفسھم قالوا بلی فقال اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (کیا تم نہیں جانتے کہ اہل ایمان پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں؟ صحابہ نے اثبات میں جواب دیا اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ خداوندا میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔
(منصب امامت صـ ۱۴۹)

۴

یہ ولایت علیؑ جس کا اس زور دار لہجہ میں پیغمبر اعلان فرما رہا ہے تعجب ہے کہ حضورؐ کے صحابہ اس کے مفہوم سے آشنا ہی نہ ہو سکے اور اگر وہ اس کے مفہوم سے آشنا تھے تو انہوں نے اس کے مقتضی پر عمل کرنے سے گریز کیوں کیا اس جواب کی ذمہ داری اہل سنت پر عائد ہوتی ہے لیکن وہ اس کا جواب دینے کی بجائے کبھی لفظ "مولیٰ" کی لغوی تشریح و تحقیق کا قصہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اور کہیں ابوبکر و عمر کی خلافت کے متعلق سراسر وضعی اور جعلی حدیثیں پیش کر کے غلط بحث کرنے لگتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ یہاں "منصب امامت" میں سے ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔

شاہ اسماعیل شہید دہلوی لکھتے ہیں (مناصب امامت ص ۱۲۵)

"امامت ظل رسالت ہے بنا' اس کی اظہار پر ہے نہ کہ اخفا پر۔ بر خلاف ولایت کے پس جیسا کہ منازل وجاہت اور مقامات کا دعویٰ اور معاملات ربانی و کشف اسرار روحانی کا بیان ارباب ولایت کے حق میں مظنۂ سلب و زوال ہے۔ اسی طرح ان کے حق میں ترقی و کمال کا باعث ہے وہ کلمات جو فخر کے اقسام سے آئمہ ہدیٰ سے ظاہر ہوئے جیسا کہ حضرت امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ سے منقول ہے۔ "انا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب و انا القرآن الناطق۔ (میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد کسی اور کا خود کو صدیق اکبر کہنا اس کے کذاب ہونے کی دلیل ہے۔ اور میں قرآن ناطق ہوں)

گویا سیدنا علیؑ ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی امامت کے بارے میں امت میں کبھی دو رائیں نہیں رہیں اور تمام فرقوں کا اس پر اجماع ہے کہ

منصب نبوت حضرت علی علیہ السلام کا استحقاق ہے اسے اگر قاسم نانوتوی اور اسمٰعیل شہید دہلوی تسلیم کرتے ہیں تو صحابہ کے گروہ کو بھی اس کا ادراک تھا لیکن بُرا ہو سیاسی جوڑ توڑ اور لادین سیلاب اور ہوس اقتدار کا جس نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ ملی بھگت کرکے حضرت علیؑ کو ان کے اس جائز حق سے محروم کر دیا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

میں نے اس سے قبل اپنی کتاب "سیدنا علی ابن طالبؑ اور ان کے سیاسی حریف" میں تاریخ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"تاریخ کے بارے میں ایک بات خاص طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مورخ ہماری آپ کی طرح کے انسان ہوتے ہیں ان کے بھی اپنے مخصوص رجحانات و میلانات ہوتے ہیں اور کسی خاص واقعہ کے بارے میں ان کا تاثر ایک عام آدمی کے تاثر سے چنداں مختلف نہیں ہوتا اس لیے مؤرخ کی ہر بات کو نوشتۂ آسمانی سمجھ لینا اور اسے حرف آخر کی حیثیت دے دینا مناسب اور معقول طریقہ نہیں ہے مصلحت کا تقاضا بھی ایک ناگزیر امر ہے جس کو ہر شخص کسی نہ کسی حد تک ملحوظ رکھتا ہے اور مؤرخ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا جان سب کو پیاری ہوتی ہے اور پیٹ ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔"

آج جب اسلامی تاریخ کے حسن و قبح پر صورت حال زیادہ واضح نظر آتی ہے اور حقائق زیادہ کھل کر سامنے آرہے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ خلیفہ اول و دوم و سوم اور ان کے حاشیہ برداروں اور معاویہ بن ابی سفیان اور اس کے

کے مشورہ کاروں، عمرؓو بن العاصؓ اور مغیرؓہ بن شعبہؓ، یزید اور اس کے بدنہاد ساتھیوں اور اسی قماش کے دوسرے ظلم پیشہ حکمرانوں کو اگر یہ علم ہوتا کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کی خاطر جو کچھ کر رہے ہیں وہ تاریخ کا حصہ بن جائے گا اور انہیں تاریخ کی اس خود کار قوت کا بخوبی ادراک ہوتا جو تہ در تہ چھپی ہوئی کارستانیوں کو پاتال سے ڈھونڈھ نکالتی ہے تو شاید ان سے وہ حرکتیں سرزد نہ ہوتیں جن سے نہ صرف ان کے اپنے دامن داغدار ہیں بلکہ اسلامی تاریخ کا چہرہ بھی شرمسار ہے۔

شاعر نے سچ کہا ہے ؎ حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں۔

یہ فطرت ہی کی تعزیر کا ایک روپ ہے کہ پچھلے چودہ سو برس سے ایک ایسا مستقل فرقہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں موجود رہا ہے جو چودہ سو برس پہلے روا رکھی گئی دھاندلیوں کے خلاف اس شدت کے ساتھ سراپا احتجاج بنا ہوا ہے کہ جبر کا کوئی ہاتھ اس کو مہر بلب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

چودہ سو برس کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے صدہا بندگان حق ہیں جو سر تا پا نالہ و شیون اور آہ و فغاں بنے ہوئے ہیں اور جب تک دھرتی قائم ہے ان کی صدائے احتجاج بلند ہوتی رہے گی اور آئندہ نسلیں ان اعمال رذیلہ پر جو جانشینان رسول سے سرزد ہوئے مؤاخذہ و احتساب کرتی رہیں گی اور ان تمام نہاد اصحاب رسولؐ و تابعین کی اسلام دشمنی اور پیغمبرؐ کی ایذا رسانی کے گھناؤنے جرائم پر نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا رہے گا۔

اس سے بڑھ کر تاریخ کا انتقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ "مقدس شخصیتوں" کے دامن تقدس کو چاک کرنے کے لیے کروڑوں کی تعداد میں لوگ موجود ہیں اور انکی

تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انسانوں کا ایک جم غفیر ہے جو سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں بالعموم اور نا انصافی کے معین ایام میں بالخصوص ظلم و نا انصافی، بے مروتی، احسان ناشناسی اور حق تلفی کے واقعات پر اپنے رنج و غم کا برملا اظہار کرتا ہے اور جبر و استبداد کی اس واردات پر علانیہ نفرین بھیجتا ہے جو "خیر القرون" میں ایسی مقدس شخصیتوں کے ہاتھوں عمل میں آئی جنہیں ملائکہ و انبیاء کا ہم مرتبہ قرار دیا جاتا ہے۔ دنیا کی کسی بڑی یا چھوٹی، نئی یا پرانی، قوم میں برائی کے خلاف نفرت کا ایسا بھرپور مظاہرہ نہیں ہوا جیسا کہ مسلمان قوم نے اس روایت کو قائم کیا اور برقرار رکھا۔

عاشورہ محرم کے دس دنوں پر ہی منحصر نہیں سال میں کتنے ہی ایسے مواقع بار بار آتے ہیں جب محبان اہل بیتؑ دنیا کے ہر حصہ میں "الا لعنۃ اللہ علی الظالمین" کی آیت قرآنی کا اس کثرت اور شدت کے ساتھ تکرار کرتے ہیں کہ ظالموں کی متعفن لاشیں ان کی قبروں میں تڑپ تڑپ اٹھتی ہیں۔

ظلم کہاں نہیں ہوا، نا انصافی کس قوم نے نہیں کی، جرائم کا ارتکاب کس معاشرہ میں ختم ہوا ہے لیکن ظلم، نا انصافی اور ارتکاب جرائم پر لعنت و ملامت کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ مسلمان قوم کی وہ شاندار روایت ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔

آج کچھ لوگ سینہ کوبی اور ماتم کی اس رسم خوش آئین پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں لیکن ظلم و استبداد، جور و ستم اور جبر و تشدد کے خلاف نفرت کے اظہار کی ہر صورت اور احتجاج کی ہر حرکت مستحق تحسین ہے۔

کسی اچھی روایت اور کسی خوبصورت رسم کو تمثیل کے رنگ میں زندہ رکھنا شریعت اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ہے وہ "تماثیل" کا قائل نہیں ہے مگر "تمثیل" اسکی عبادات و اعمال کا لازمی حصہ ہے اور اہل علم سے وہ فرق مخفی نہیں ہے جو "تمثال" اور "تمثیل" کے مابین پایا جاتا ہے۔

تمثیل علیٰ اسلام ہے

ایک بے آسرا اور تنہا عورت ایک صحرائے بے آب میں اپنے گود کے بچہ کی پیاس بجھانے کی خاطر ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی جانب دوڑتی ہوئی جاتی ہے پھر واپس پلٹتی ہے پھر جاتی ہے ممتا کی ماری کو کہیں پانی نظر نہیں آتا صفاء اور مروہ دو پہاڑیوں کے درمیان اس کے سات پھیرے ہوتے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر کو جس کے حکم سے اس عورت کو اس بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرایا گیا تھا پانی کی تلاش میں یوں اس کا مارا مارا پھرنا ایسا پسند آیا کہ رہتی دنیا تک ہر مرد و زن کو پابند کر دیا گیا کہ جب وہ فریضہ حج ادا کرنے اس بے آب و گیاہ وادی میں آئے تو اسی طرح ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سات مرتبہ دوڑے جس طرح ابراہیمؑ کی بیوی اور اسماعیلؑ کی ماں ہاجرہ دوڑی تھیں۔ اضطراب کی اس بے ساختہ ادا کو جو ایک ماں سے اپنے بچہ کی جان بچانے کیلئے ظہور میں آئی ایک سنت ثانیہ کا مقام دے دینا تمثیل نہیں تو اور کیا ہے۔

اور یہ واقعہ بھی اس وادی بے آب و گیاہ میں پیش آیا کہ ایک عمر رسیدہ بڈھا اپنے نوخیز بچے کو اشارۂ غیبی کے تحت ذبح کرنے جا رہا ہے انسانی صورت میں

شیطان حکم خداوندی کی تعمیل سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ سراپا تسلیم ورضا بنے ہوئے اسے پتھر مارتا ہے اور بجا آوری حکم میں پس وپیش گوارا نہیں کرتا آج کہ اس واقعہ پر ۵ ہزار برس کی طویل مدت گزر چکی ہے۔ امت محمدیہ کا ہر فرد جب ان مقامات سے گزرتا ہے جہاں شیطان نے خدا کے اس برگزیدہ پیغمبرؑ کی راہ روکنے کی کوشش کی تھی تو وہ "رمی جمار" ضرور کرتا ہے اور ایک نادیدہ دشمن پر اس جوشش غضب سے سنگ باری کرتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں اس عمل کا نام تمثیل نہیں تو اور کیا ہے۔

صفا و مروہ کی ان دو پہاڑیوں کو شعائر الٰہیہ میں شمار کیا گیا کہ ان الصفاء والمروۃ من شعائر اللہ اگر پہاڑ شعائر الٰہیہ میں شمار ہو سکتے ہیں اور اگر ناقۂ صالحؑ شعار خداوندی بن سکتی ہے تو پیغمبر آخر الزمان محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل اطہار کو شعار خداوندی کیوں نہ قرار دیا جائے اور ان کے تذکار مقدس کی رسم خوش آئین کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے تمثیل کا انداز اختیار کرنے میں آخر کیا قباحت ہے جن خواتین کو لسان نبوت و وحی نے تمام خواتین عالم کا سردار قرار دیا ہے ان میں حضرت ہاجرہؑ کا نام شامل نہیں ہے۔

وہ چار مقدس خواتین جنہیں سر برآوردہ روزگار اں منتخبہ عالم بتایا گیا ان میں فرعونؔ کی بیوی آسیہ، عمران کی بیٹی مریمؑ، ام المومنین حضرت خدیجۃؑ الکبریٰ اور سیدہ فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا کے اسماء گرامی ملتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ جو ایک پیغمبرؑ کیسا پیغمبر، جسے ابوالانبیاءؑ کہا گیا ہے جس کی ملت کی اتباع کا خود حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا

گیا اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت پیغمبرؑ کا حرم میں ان کی تو یہ پذیرائی کہ ان کی ایک بے ساختہ ادا کو رہتی دنیا تک کے لیے قابل تقلید عمل بنا دیا گیا اور سیدۃ نساء العالمین حضرت سیدہ فاطمہ کے لخت جگر سیدنا حسین علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت پر رنج و غم اور اگریہ و ماتم کا اظہار بھی گوارا نہیں ہے [1]

---

[1] حرم کعبہ میں عین ملتزم کے سامنے ایک پتھر نصب ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ثبت ہیں۔ قرآنِ مقدس میں نشانات کو "مقام ابراہیمؑ (ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآنِ مقدس نے حکم دیا ہے کہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی چنانچہ نماز کے اوقات میں امام کعبہ انہی قدموں کے نشانات کے عین سامنے کھڑا ہو کر رکوع و سجود و قیام کے ارکان بجالاتا ہے اور اس سے نہ تو امام اور اس کے مقتدیوں کی توحید میں کوئی خلل پڑتا ہے نہ نماز میں اس سے کوئی کراہت پیدا ہوتی ہے نہ موجودہ حکمرانوں کو جو حضورؐ کی بارگاہ میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے بعض آداب ملحوظ رکھنے پر آتش زیر پا ہو جاتے ہیں رسمِ توحید کی اس کھلم کھلا توہین پر کوئی الجھن محسوس ہوتی ہے اگر ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات کو یہ اعزاز و مرتبہ و مقام حاصل ہو سکتا ہے کہ اُسے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور صدیوں سے وہ پتھر ایک خصوصی تقدس کا حامل چلا آ رہا ہے تو اہل بیتؑ نبوت کی قبروں کے نشانات پر سر نیاز خم کرنا جہاں ان کے اجساد مطہرہ آرام فرما ہیں شرک کیوں ٹھہرے یا ان کے مزارات کے نقشے گھروں میں آویزاں کرنا یا ان مزارات کی نقل بنانا کس آئین شریعت کی رو سے ناجائز قرار پائے گا کیا شریعت کا آئین بھی دستور لغت کی طرح سراسر سماعی ہوتا ہے کہ اس میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

فنِ تاریخ پر ستم

میں یہ باتیں کسی ترتیب سے نہیں لکھ رہا ہوں خیالات کا ایک ہجوم ہے جو ذہن کے دریچوں سے اندر گھسا چلا آرہا ہے کوئی ایک حکایت ہو تو اس کا رنج اٹھایئے کوئی ایک شکوہ ہو تو اس کا قصہ کہیئے کوئی ایک سانحہ ہو تو اس کا ماتم کیجئے اور کوئی ایک درد ہو تو اس کا درماں تلاش کیجئے " تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" کی کیفیت دل و دماغ پر مستولی ہے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ دس باتیں اور دامن کش ہوتی ہیں۔ کبھی تاریخ کی بے بسی کا خیال آتا ہے کہ ہمارے ماضی کے مورخ کیا لوگ تھے کہ انہوں نے وقائع نگاری کو تاریخ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا یہ مُورخ ہمارے دور کے ان صحافیوں کی مانند تھے جنہوں نے ضمیر فروشی کے بدلے آسودگی کی دولت پائی ان کی بیان کردہ روایتوں کا ان کے دل پسند راویوں کا حال ان سے بھی گیا گزرا ہے کوئی راوی ایسا نہیں جسے "ثقہ" اور" عدول" نہ کہا گیا ہو اور کوئی راوی ایسا نہیں جس کی دیانت پر شک و شبہ کا اظہار نہ ہوا ہو۔ کبھی اسناد کی طرف دھیان جاتا ہے، اور "عن عن" کی مہمل تکرار اور "حدثنا۔ اخبرنا قال فلاں" وغیرہ کے لایعنی حوالوں اور لاطائل ذریعوں سے تاریخ کے قدرتی عمل میں جو رکاوٹیں کھڑی کی گئی ہیں انکی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے۔

"اسماء الرجال" کے فن کو مسلمانوں کی ایجاد قرار دے کر اس پر داد کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس فن کو کس طرح حقائق کے اخفا اور واقعات کی پردہ پوشی کے لیے استعمال کیا گیا تاریخ کو مسخ کرنے، اس کا حلیہ بگاڑنے اور سیاہ

کو سفید بنانے میں اس فن نے جو گل کھلائے ہیں ان پر بھی تو اک نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔
تاریخ پر اس سے بڑا سانحہ کبھی نہیں گزرا کہ اسے اسناد کا تابع مہمل بنا کر رکھ دیا
گیا اور اس کی زبان سے وہی بات کہلائی گئی جو جبر و استبداد کے حکمران کہلوانا چاہتے
تھے اور اس طرح اسے پابند سلاسل کر دیا گیا بقول شاعر

کیا پابند نئے نالہ کو میں نے
یہ طرز خاص ہے ایجاد میری

تاریخ حالانکہ کبھی اسناد کی محتاج نہیں رہی اس کے اندر ایک خود کار تنقیدی
قوت ہوتی ہے جو غلط کو صحیح سے اور درست کو نادرست سے میز کرتی رہتی ہے۔
سکندر نے پورس سے کہا۔ "بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں"؟ پورس نے
جواب دیا۔ "وہی سلوک جو بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں"۔
یہ تاریخی سوال و جواب صدیوں سے زبان زد خاص و عام ہے کبھی کسی مؤرخ کو
اس کے لیے کسی سند کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سلاطین عالم کے تذکرے تاریخوں
میں بکثرت موجود ہیں مگر کبھی کسی مؤرخ نے ان میں تضاد محسوس نہیں کیا۔
یہ شرف ہم سوختہ ساماں مسلمانوں کے حصہ میں آیا کہ ایک ہی واقعہ سے
متعلق بیانات میں ایسا تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک راوی دن
لکھتا ہے تو دوسرا رات کہیں کہیں تو ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی راوی لیکن
ایک جگہ اس سے کچھ منقول ہے دوسری جگہ اس سے بالکل کوئی دوسری بات

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجمی

کُتب حدیث کی افادیت

ہماری تاریخ کا ماخذ اول کتب حدیث ہیں لیکن ان کے راویان حدیث میں شاید ہی کوئی راوی ایسا ہو جو کسی نہ کسی ناقد حدیث کے ہاں متہم و مشکوک نہ ٹھہرا ہو۔

حدیث کی کوئی کتاب ایسی نہیں بچی جس میں رطب و یابس اور ضعیف و موضوع روایتوں کی بھرمار نہ ہو ان کتابوں کے سات سو سے زیادہ راویان حدیث وہ ہیں جن کو کسی نہ کسی ناقد حدیث نے کذاب و وضاع مفتری و دجال اور غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ ناقدین فن حدیث اور ماہرین علم اسماء الرجال نے اپنی کتابوں میں بیشتر راویان حدیث کے بارے میں جو ریمارکس دیئے ہیں ان کو پڑھ کر آدمی حیران و پریشان و سرگرداں رہ جاتا ہے کہ کس پر اعتماد کرے اور کس پر نہ کرے، کسے سچا جانے اور کسے جھوٹا مانے ان میں ایسے ایسے راوی بھی ہیں جو بظاہر بڑے متقی، پرہیزگار اور عبادت گذار تھے لیکن وضع حدیث کا دھندا بڑی شد و مد سے جاری رکھے ہوئے تھے۔

فضائل شیخین کے متعلق من گھڑت حدیثیں پھیلانا، عثمان کو "ذو النورین" کا خود ساختہ اور جعلی لقب دینا، معاویہؓ کی فضیلت میں حدیثیں گھڑنا ان لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کرشمہ ہے۔ بھلا جن لوگوں نے ابو حنیفہ اور شافعی جیسے دل پسند اماموں کے مناقب میں حدیثیں وضع کی ہوں اور ایک دو نہیں بیسیوں کی تعداد میں، ان کے لیے ابوبکر و عمر و عثمان کے فضائل و مناقب کے باب میں حدیثیں وضع کر لینا کونسا مشکل کام تھا چنانچہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے اپنی کتاب "سفر السعادہ" میں تصریح کی ہے کہ ابوبکر بن ابی قحافہ کے فضائل کے باب میں تمام

احادیث موضوع، جعلی اور من گھڑت ہیں۔[1]

شیعہ کتب حدیث و روایت کو غیر مستند قرار دینے والوں نے کبھی اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھا ہے کہ ان کے راویوں کی دیانت کا کیا عالم ہے کوئی راوی ایسا ہو جس کے بارے میں اس قسم کے تبصرے نہ ملتے ہوں کہ

۱۔ لاتحل الروایۃ عنہ" (اس شخص سے روایت لینا جائز نہیں۔

۲۔ احادیثہ کلہا موضوعۃ۔ (اس کی ساری حدیثیں خود ساختہ ہیں)

۳۔ یروی مالا اصل لہ" (ایسی روائتیں پیش کرتا ہے جن کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہوتی)

---

[1] ایک اور ستم ظریفی جس کا مظاہرہ حدیث کی چھ معتبر کتابوں میں جنہیں اہل سنت "صحاح ستہ" کہتے ہیں بکثرت دیکھنے میں آیا ہے وہ مناقب و فضائل صحابہ کے باب میں ایسی روایتوں کا التزام ہے جو باپ کے حق میں بیٹے یا بیٹی نے بیان کی ہیں۔

مثال کے طور پر ابو بکر ابن ابی قحافہ کے متعلق زیادہ تر روائتیں وہ ہیں جو ان کی بیٹی حضرت عائشہ سے منسوب ہیں یا ان کے لڑکے عبدالرحمٰن ابن ابو بکر سے منقول ہیں، اسی طرح عمر ابن خطاب کے بارے میں زیادہ تر روائتیں وہ ہیں جو ان کے فرزند عبداللہ ابن عمر کی بیان کردہ ہیں۔ "گھر سے آیا ہے معتبر نائی" کی طرز کی ان روایتوں کو بجائے اس کے کہ جرح و تعدیل کی چھلنی میں چھان کر ان کا صحت و سقم کا جائزہ لیا جاتا ان پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ شاید ہر سُنی سنائی بات پر یقین کر لینا ہی سُنی ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ یروی الموضوعات عن الثقات (ثقہ لوگوں کے حوالے سے موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے۔

۵۔ احادیثہ مقلوبۃ منکرۃ (اس کی حدیثیں سند کے اعتبار سے الٹ پلٹ اور مضمون کے اعتبار سے لغو ہوتی ہیں)

۶۔ لیس بشیٔ فی الحدیث (حدیث کی روایت میں اس راوی کی کوئی حیثیت نہیں ہے)

۷۔ یاتی عن الثقات بالطامات (ثقہ لوگوں کے حوالے سے جھوٹی کہانیاں پیش کرتا ہے)

۸۔ لایحل الاحتجاج بہ (اس کی کسی روایت کو بطور حجت پیش کرنا جائز نہیں ہے)

۹۔ یقلب الاسانید ویرفع (اسناد میں الٹ پھیر کرکے ان کی نسبت براہ راست حضورؐ تک پہنچاتا ہے۔)

۱۰۔ یرفع الموقوف ویوصل۔ حدیث موقوف کو مرفوع اور موصول بنا دیا ہے۔

۱۱۔ یسرق الحدیث ویقلب۔ حدیث میں سرقہ کا مرتکب ہوتا ہے اور مضمون کو الٹ پلٹ دیتا ہے۔

۱۲۔ لیس بثقۃ فی الحدیث۔ وہ حدیث کی روایت میں قابل اعتبار نہیں ہے۔

۱۳۔ لم یکن ثقۃ ولا مامونا۔ نا قابل اعتماد ہے نہ کذب سے مامون۔

۱۴۔ عامۃ ما یرویہ غیر محفوظۃ۔ اس کی عام روایتیں آمیزش سے محفوظ نہیں ہیں۔

۱۵۔ کل الاصحاب مجمع علی ترکہ۔ تمام اصحاب حدیث اسکی روایات کو نظر انداز کرنے پر متفق ہیں۔

۱۶۔ لیس لہ حدیث یعتمد علیہ۔ اس کی روایت کردہ کوئی حدیث بھی قابل اعتماد نہیں۔

۱۷۔ مضطرب الحدیث لیس بشیٔ۔ اس کی روایتوں میں گڑبڑ گھٹالا ہے اور بیکار

محض ہے۔

۱۸۔ متفق علی ترکہ ۔ اس کی روایات کے ترک پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۹۔ یاتی بالموضوعات ۔ وہ من گھڑت روایتیں بیان کرتا ہے۔

۲۰۔ یاتی بالمقلوبات ۔ الٹ پھیر والی روایتیں پیش کرتا ہے۔

۲۱۔ ینفرد بالمناکیر ۔ ان ہونی اور عجیب و غریب روایتیں پیش کرنے میں منفرد ہے۔

۲۲۔ لیس بحجۃ ۔ وہ راوی مستند نہیں ہے۔

۲۳۔ مدلس عن الکذابین ۔ جھوٹوں کی روایتیں صحیح روایتوں میں ملا کر پیش کرتا ہے۔

۲۴۔ متہم بالکذب ۔ اس پر جھوٹا ہونے کا الزام عائد ہے۔

ابوہریرہ ضمیر فروش راوی

راویانِ حدیث کی اس بے اعتباری کا یہ سلسلہ نچلی سطح تک ہی محدود نہیں۔ بڑے بڑے نامور صحابہ اس جرم میں ملوث ہیں اور چھوٹی سطح کے راوی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ سکتے ہیں کہ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ ان "جلیل القدر" صحابہ میں ایک نام ابوہریرہ کا ہے جنہیں "مکثرین حدیث" میں سرفہرست شمار کیا جاتا ہے یعنی وہ ان آٹھ صحابہ میں سے ہیں جن سے حدیث میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں اور ابوہریرہ کی روایتوں کی تعداد دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔

یہ ابوہریرہ جو اپنی کثرت روایت کی بنا پر عمر ابن خطاب کے ہاتھوں ایک مرتبہ زد و کوب بھی ہوئے ایسے واقعات کے عینی شاہد بھی بنتے ہیں جن واقعات کے

وقت ان کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں ملتا ان کے بارے میں یہ بات، تو تمام ہر محدثین و مورخین کے نزدیک طے ہے کہ وہ غزوہ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے جو ۷ھ کا واقعہ ہے لیکن عینی شاہد وہ ان واقعات کے بنتے ہیں جو ان کے مسلمان ہونے سے بہت پہلے کے ہیں۔

"بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ" کی کہاوت سنی تو تھی مگر تاریخ اسلامی میں "عبداللہ دیوانہ" کا یہ کردار ابوہریرہ ہر کو بھتا ہے جو خواہی نہ خواہی ہر واقعہ میں خود کو یوں شریک کر لیتے ہیں گویا اگر اس واقعہ میں ان کی شرکت تسلیم نہ کی گئی تو وہ واقعہ ادھورا رہ جائے گا یا اس کی اہمیت کم ہو جائے گی یا اس کا وقوع مشکوک ٹھہرے گا اسے آپ ایک اور کہاوت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں یعنی "تو کون میں خواہ مخواہ"

ابوہریرہ کی ایسی ہی بے سروپا روایتوں میں سے بطور "نمونہ مشتے از خروارے" ایک روایت یہاں پیش کیجاتی ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ محدثین کے اس پسندیدہ راوی کی اوقات کیا ہے۔ ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔

دخلت علی رقیۃ بنت رسول اللہ امرأۃ عثمان و بیدھا مشط وفقلت خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من عندی آنفا رجلت شعرہ فقال کیف تجدین ابا عبد اللہ (یعنی عثمان) قالت بخیر۔ قال اکرمیہ فانہ من اشبہ اصحابی بی خلقا۔

میں رقیہ کے ہاں گیا جو حضور کی بیٹی اور عثمان بن عفان کی بیوی تھی رقیہ کے ہاتھ میں کنگھی تھی رقیہ کہنے لگیں ابھی ابھی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں سے

ہو کر گئے ہیں۔ میں نے ان کے بالوں میں کنگھی کی تھی حضورؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا ابو عبداللہ یعنی عثمان (یہ ان کی کنیت ہو گی) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے میں نے کہا وہ بھلے آدمی ہیں یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا اس شخص کی عزت کیا کر کیونکہ عثمان میرے صحابہ میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں۔

تاریخ و حدیث و سیر کی تمام کتابیں اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت رقیہ کا انتقال جنگ بدر کے فوراً بعد ہوا اور یہ واقعہ سنہ ۲ھ کا ہے ابو ہریرہ سنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے ابو ہریرہ مکہ یا مدینہ کے رہنے والے نہیں تھے کہ ان کے بارے میں یہ قیاس آرائی کی جا سکے کہ وہ اسلام لانے سے قبل مدینہ منورہ آئے اور حضرت رقیہ سے بھی ملنے چلے گئے ہوں وہ یمن کے رہنے والے تھے اور یمن کے قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے پھر کس کا فرد مشرک کا کسی مسلمان کے ہاں اور وہ بھی ایسی عورت ہے جسے وہ بنت رسول کہہ رہے ہیں۔ اس کے گھر میں جانا چہ معنی دارد۔

ظاہر ہے کہ یہ ساری سخن سازی انہوں نے معاویہ کے زمانہ میں کی جس نے اس قسم کی وضعی حدیثوں کی تیاری کے لیے ضمیر فروش صحابہ کا ایک گروہ مقرر کر رکھا تھا جو حضرت سیدنا علیؑ کی مذمت میں اور خاندان بنی امیہ کے افراد کی تعریف میں جھوٹی باتیں گھڑ کر انہیں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ کی جانب منسوب کرتا تھا۔

جہاں تک ابو ہریرہ کی ضمیر فروشی کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت میں کئی واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں ایک واقعہ جسے مشہور راوی اعمش نے بیان کیا ہے اس سے ابو ہریرہ کے کردار پر روشنی پڑتی ہے وہ کہتا ہے۔

جب ابو ہریرہ معاویہؓ کے ساتھ عراق آیا اور یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب حضرت حسنؓ نے حکومت معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی تو ابو ہریرہ کوفہ کی مسجد میں گیا جب اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اپنی کھوپڑی پر کئی بار ہاتھ مارا (یہ ابو ہریرہ کی غیر اختیاری حرکت معمول کے مطابق تھی) اس کے بعد کہنے لگا۔

اے اہل عراق! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر جھوٹ باندھوں گا اور خود کو آگ میں جلواؤں گا۔ اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا حضورؐ فرماتے تھے۔

استدراک - ابو ہریرہ کی دناءت طبع کا اندازہ جہاں اس سے ہوتا ہے کہ وہ خود یہ اعتراف کرنے کے باوجود کہ ان پر سب سے زیادہ احسانات حضرت جعفر طیارؓ بن سیدنا ابو طالبؑ کے ہیں وہاں حضرت ابو طالبؑ کے کفر کے بارے میں جو روایتیں کتب حدیث میں مذکور ہیں ان میں سے بیشتر کے راوی بھی یہی احسان فراموش شخص ہے اور سیدنا علی علیہ السلام کی مخالفت میں بھی یہی پیش پیش رہا وہ شخص جو خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ نماز کا مزا تو علیؑ ابن طالب کی اقتدا میں ہے لیکن دستر خوان کا لطف معاویہؓ کے ہاں ملتا ہے اور وہ معاویہؓ کا آلۂ کار بن کر سیدنا علیؑ کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتا ہے۔

جھوٹی روایتیں اس کثرت سے گھڑتا اور بیان کرتا تھا کہ خود اس کے آقایان ولی نعمت میں سے ایک یعنی خلیفہ دوم کے ہاتھوں خود حضورؐ کے زمانہ میں بھی پٹا اور ان کے زمانۂ خلافت میں بھی اس کی پٹائی ہوئی لیکن عثمانؓ اور معاویہؓ کی حکومتوں کے عہد میں تو اسے

(باقی صفحہ پر)

"ہر پیغمبر کا ایک حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ (منورہ) ہے عیر سے لے کر ثور تک تو میرے اس حرم میں اگر کوئی حادثہ کسی شخص کے سبب رونما ہوا۔ تو اس پر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو" اور میں گواہی دیتا ہوں کہ مدینہ میں حادثات کے مرتکب علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوئے ہیں۔ جب ابوہریرہ کی اس کارگذاری کا علم معاویہ کو ہوا تو اس نے ابوہریرہ کو اکرام و انعام سے نوازا اور اس خدمت کے صلہ میں اسکو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

ابو جعفر اسکافی کہتے ہیں:

"معاویہ بن ابی سفیان نے صحابہ اور تابعین میں سے کچھ لوگوں کو اس کام پر لگایا تھا کہ وہ سیدنا علیؑ کے متعلق ایسی بری خبریں گھڑیں جن سے ان کی عظمت مجروح ہوتی ہو اور ان کی کردار کشی ہوتی ہو اور لوگوں میں ان سے بیزاری کا جذبہ

(بقیہ حاشیہ)

خواب کھل کھیلنے کا موقعہ ملا اور اس نے اسلامی شریعت کے ہر مسئلہ میں تفسیر قرآن سے لے کر فقہ کے چھوٹے چھوٹے مسائل تک میں حدیثیں گھڑ کر حضورؐ کی طرف منسوب کرنی شروع کر دیں اور بلا روک ٹوک مفسر محدث فقیہ مورخ اور عالم بنتا چلا گیا حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے بھی اسے اسکی بر خود غلط روایتوں پر ٹوکا تو اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ جواب دیا۔ کہ حضرت عائشہ کو تو کنگھی چوٹی سے فرصت ہی کب ملتی تھی کہ وہ حضورؐ کے ارشادات پر توجہ کرتیں دوسرے صحابہ بھی اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہتے تھے ایک میں تھا جو ہر وقت حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر باش رہتا تھا۔ اسے کہتے ہیں "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد"

ابھرتا ہوا اس کام کے لیے معاویہ نے ان لوگوں کا باقاعدہ روزینہ مقرر کیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ ایسی ایسی باتیں گھڑتے اور حدیثیں وضع کرتے جن سے معاویہ کی خوشنودی، مزاج حاصل ہوتی۔

کرایہ کے ان ٹٹوؤں میں ابوہریرہ تھے عمرو بن العاص تھے مغیرہ بن شعبہ تھے اور تابعین میں ایسے لوگوں کا سرغنہ عروۃ بن الزبیر تھا" اس کے علاوہ کعب احبار وہب بن منبہ اور عبد اللہ بن سلام جیسے لوگ بھی معاویہ کے آلۂ کار تھے۔ ابوالدرداء اور سمرہ بن جندب کے نام بھی اس فہرست میں صحابہ کی عظمت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ حضرت رقیہ سے متعلق ابوہریرہ کی روایت تو آپ نے دیکھ لی جس میں

لہ عبد اللہ بن سلام جو یہودی عالم تھا اور بظاہر مسلمان ہوگیا تھا اس کی تمام تر ہمدردیاں معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ تھیں عبد اللہ ابن سبا کی فرضی اور سراسر من گھڑت شخصیت جس کا تاریخ میں تیسری صدی ہجری سے پہلے کہیں نام تک موجود نہیں ہے اسے یہودی قرار دے کر شیعان علی کا رشتہ یہودیت سے جوڑنے والے عبد اللہ ابن اسلام کی حقیقی شخصیت سے رشتہ وفاداری استوار کرنے والوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ عبد اللہ ابن سلام اس کو اس کی عمر بھر کی چہیرہ داریوں کا صلہ معاویہ کے دربار سے کیا ملا اور اس کی تفصیل اہل سنت ہی کے مورخین کی زبانی سنیئے۔ "معاویہ کا لڑکا یزید، عبد اللہ ابن اسلام کی بیوی اریب بنت اسحاق پر فریفتہ ہوگیا جو اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتیں میں سے تھی۔ یزید کو اس عورت سے اس درجہ عشق ہوگیا کہ اس کی یاد میں آہیں بھرتا اور اس کے فراق میں قریب المرگ ہوگیا جب معاویہ کو یزید کے اس

یہ شخص موقعہ کا گواہ بنا ہے اسی قسم کی ایک دو روایتیں اور بھی پیش کیجاتی ہیں تا کہ اندازہ ہو کہ اس "صحابی رسولؐ" نے کیا گل کھلائے ہیں۔

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ صلّٰی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم الظہر او العصر فسلم فی رکعتین فقال لہ ذوالیدین انقصت الصلٰوۃ ام نسیت" الخ

"رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی ظہر کی نماز تھی یا عصر کی حضورؐ نے دو رکعت پڑھا کر ہی سلام پھیر لیا اسپر ذوالیدین صحابی نے

عشق کا علم ہوا تو اس نے ابوہریرہ اور ابوالدرداء کو بلا بھیجا وہ دونوں حاضر ہوئے ان سے کہنے لگا۔" میری ایک بیٹی ہے میں اس کی شادی کے لیے متفکر ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ عبداللہ ابن سلام جیسے عالم و فاضل دین دار اور شریف انسان کی بیوی بنے۔ ان دونوں نے عبداللہ ابن سلام سے اس خواہش کا ذکر کیا تو وہ دام فریب میں آگیا اور معاویہ سے اسکی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ معاویہ نے ابوہریرہ سے کہا کہ وہ خود جاکر اس کی بیٹی سے اس سلسلہ میں گفتگو کرے۔ معاویہ کی بیٹی نے باپ اور بھائی کے ساتھ طے شدہ منصوبہ کے مطابق اثبات میں جواب دیا مگر کہا کہ میں اس شرط پر یہ رشتہ قبول کرتی ہوں کہ عبداللہ ابن سلام اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے کیونکہ میں سوکناپے سے ڈرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو مجھے غضب خداوندی کا شکار بنا کر رکھ دے۔ اسپر ابن سلام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور معاویہ سے ایفاء عہد کا مطالبہ کیا کچھ عرصہ تک تو معاویہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا جب عبداللہ ابن سلام کی بیوی ایام عدت گزار کر یزید کے حجلہ عروسی

عرض کیا کیا نماز میں کمی کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں۔ الخ"

ذوالیدینؓ صحابی غزدہ بدر میں شہید ہوئے جب ابھی ابوہریرہ کفر کے مزے لوٹ رہے تھے لیکن لوگوں کو یہ تاثر دینے کے لیے کہ وہ بھی اصحاب بدر میں شامل ہیں ایک قصہ گھڑ لیا حالانکہ غزدہ بدر سنہ ۲ ھ کا واقعہ ہے جبکہ ابوہریرہ سنہ ۷ ھ میں مسلمان ہوئے۔ یہ روایتیں بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں جنہیں "صحیحین" کہا جاتا ہے۔

درازدستیٔ ایں کوتہ آستیناں بیں

یہی ابوہریرہ اپنے "پیشہ ورانہ" فرائض سرانجام دیتے ہوئے ایک اور دور کی کوڑی لائے ہیں تاکہ اپنے مربی و سرپرست معاویہ کی مسرتوں میں اضافہ کر کے گلچھرے اڑا سکیں۔

ایمان ابوطالبؑ

ابوہریرہ کہتے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعمہ ابی طالب قل لا الہ الا اللہ اشہد لک بہا یوم القیامۃ الخ انک لا تہدی

ہیں پہنچ گئی تو معاویہ نے صاف صاف جواب دے دیا کہ اس کی بیٹی کہتی ہے کہ جو شخص اپنی بنت عم کو جو اپنے وقت کی خوبصورت ترین عورت ہے طلاق دے سکتا ہے تو وہ اس پر کیونکر اعتماد کر سکتی ہے۔ اسے کہتے ہیں یا ہے ایکانی تیرا ہی آسرا۔

(طبری۔ معاویہ فی المیزان لعباس محمود العقاد)

قال مولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حمله علی ذلك لاقررت بها عینك
فانزل الله تعالےٰ انك لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء

(مسلم عن ابی حریرہ)

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالبؓ سے فرمایا آپ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں تو میں قیامت کے روز آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابو طالبؓ بولے اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے کر دیکھا بھتیجے نے اسے اس کام پر مجبور کر دیا تو میں ضرور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا اس موقعہ پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی کہ انك لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء ۔ تم اسے ہدایت نہیں دے سکتے جس سے تمکو محبت ہو یہ اللہ تعالےٰ ہی ہے جو ہدایت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالبؓ سے فرمایا آپ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں میں قیامت کے روز آپ کے حق میں اسکی شہادت پیش کر دوں گا ابو طالبؓ نے انکار کر دیا اسپر قرآن مقدس کی وہ آیت نازل ہوئی جس کا ذکر پہلی حدیث میں آچکا ہے ۔ انك لا تهدی من احببت الخ

حضرت ابو طالبؑ کا انتقال سنہ ۱۰ نبوت میں ہوا بعض دوسری روایتوں کے بموجب آٹھ یا نو نبوت میں ان کی وفات ہوئی جبکہ ابوہریرہ سنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے لیکن ابو طالبؑ کے قبول اسلام سے انکار کا آنکھوں دیکھا حال یوں سنا رہے ہیں جیسے واقعہ کے گواہ ہیں حالانکہ حضرت ابو طالبؑ کے انتقال اور ابوہریرہ کے مسلمان ہونے کے درمیان کم و بیش آٹھ دس سال کا فاصلہ حائل ہے یا تو ابوہریرہ صاحب اس راوی کا نام بتاتے جس سے انہوں نے یہ واقعہ سُنا تھا تاکہ واقعہ کی صحت و عدم صحت پر کوئی تبصرہ ممکن ہوتا مگر وہ تو ہر واقعہ کے گواہ ہیں یعنی وہی بات ہوئی کہ خواجہ کا گواہ بینڈک۔

سنہ ۷ھ میں جب اسلام ایک طاقت ور تحریک اور ایک ناقابل شکست دین بن چکا تھا اس وقت ہوا کا رُخ دیکھ کر مسلمان ہونے والا شخص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بزرگ چچا کے درپئے آزار ہے جس نے ایک ایسے پُر آشوب دور میں پیغمبرؐ کی بھرپور حمایت و نصرت کی جب قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش کا سامنا تھا اور جب مسلمان ہونا یا کسی مسلمان کی پشت پناہی کرنا شہادت گہ الفت میں قدم رکھنے کے مترادف تھا۔

اور حضرت سیدنا ابو طالبؑ کو کافر ثابت کرنے سے مقصد کیا تھا محض سیدنا علی علیہ السلام کی توہین و تذلیل اور یہ بتانا کہ معاویہ لعنہ کا باپ ابوسفیان مسلمان تھا اور ان کے حریف حضرت علیؑ کے والد گرامی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس طرح ایک کافر باپ کے بیٹے کے مقابلہ میں ایک مسلمان کے بیٹے معاویہ لعنہ بن ابی سفیان لعنہ کی نسبی برتری ثابت کی جائے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

یہاں ضمناً ایک اور بات کا تذکرہ بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ دورِ بنی اُمیہ اور دورِ خلافت ابوبکر و عمر و عثمان کے ان پیشہ ور راویانِ حدیث کی حیثیت آج کے دور کے اُن صحافیوں کی سی تھی جو اپنے ضمیر و ایمان کو جنس بازار بنا کر ہر حکمران کے سامنے "من قاش فروش دل صد پارہ خویشم" کی صدائیں بلند کرتے اور چڑھتے سورج کی پرستش کو عین دین و ایمان سمجھتے ہیں اور یوں اپنے لیے آذوقۂ عیش فراہم کرتے ہیں۔

خود ہمارے ملک پاکستان میں اگر صحافت کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ایسے ایسے جغادری ضمیر فروش اور بے ایمان صحافی بکثرت دستیاب ہوں گے جو حکومت وقت کی قصیدہ نگاری میں اپنے قلم کی ساری جولانیاں وقف کئے ہوئے ہوں گے۔ ایوب خاں کے عہدِ آمریت میں اور بھٹو کے دورِ استبداد میں ان صحافیوں نے جس گھناؤنے کردار کا مظاہرہ کیا اور جس طرح رائے عامہ کو نظر انداز کر کے خوب کو ناخوب اور اس کے برعکس ثابت کرنے میں اپنا سارا زورِ قلم و تحریر صرف کیا وہ کسی بھی اخبار نویس سے اور اخبار بین طبقہ سے مخفی نہیں ہے۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں تاریخ عمل ہر دور میں یکساں رہا ہے اس لیے کہ انسانوں کی طبائع اور ان کی فطرت میں خیر و شر کا امتزاج دو اور دو چار کی طرح ایک حقیقت کی طرح نمایاں ہوتا رہا ہے۔ اس لیے ایک پورے معاشرہ پر کبھی اور کسی دور میں بھی اور کہیں بھی حتمیت کے ساتھ خیر محض کا اطلاق ممکن نہیں ہاں بڑے سے بڑے معاشرہ میں بھی البتہ استثناء ضرور ہوتا ہے

اور اکا دکا ایسے افراد مل جاتے ہیں جنہیں "خیر مجسم" قرار دیا جا سکے۔ جو شخص تاریخ کے ادوار گذشتہ اور اعمال سابقہ کا جائزہ اپنے عہد کے تاریخی حالات کے پیش منظر میں نہیں لیتا وہ تاریخ کے مطالعہ کے دوران کسی مثبت نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔

مستبد حکمرانوں کا طرزِ عمل ہمیشہ ایک سا رہا ہے ان کے طریقِ کار میں وقتی اور ہنگامی مصلحتوں کی بنا پر صورت حال میں تبدیلی کا احساس ہوتا ہے لیکن ان کے سیاسی حربے میں کوئی بنیادی تغیر رونما نہیں ہوتا۔

زمانۂ قبل از تاریخ کے واقعات میں فرعونِ موسیٰ کا تذکرہ قرآن مقدس نے کیا ہے اس کے نظام استبداد میں جو بنیادی عوامل کارفرما تھے آج صدیاں گذرنے کے بعد بھی مستبد حکمران انپر عمل پیرا ہیں۔ قرآن مقدس نے کہا تھا۔ ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناءھم ویستحی نساءھم انہ کان من المفسدین۔

"فرعون نے زمین پر سرکشی کی راہ اختیار کی اور اس نے سرزمین مصر کے باشندوں میں پھوٹ ڈال کر ان کو گروہوں میں بانٹ دیا ایک گروہ کو دوسرے کے مقابلہ میں گرانا اور کمزور کرنا شروع کر دیا وہ ان کی جوان نسل کو اپنی سیاسی انارکی کی بھینٹ چڑھاتا تھا اور بے بس عورتوں کو بے کسی کی زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیتا تھا یقیناً وہ زمین پر فساد پھیلانے والوں میں سے تھا"

مستبد حکمران کو سرکشی کی راہ اختیار کرنے کے لیے ایسے حاشیہ برداروں اور قصیدہ گو مصاحبوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے مافوق البشر (Super MAN)

ثابت کریں اور اس کی نخوت درعونت میں اضافہ کرتے رہیں۔ مستبد حکمران اپنے استبداد کو سند جواز بخشنے کے لیے ابوہریرہؓ مغیرہؓ عمروؓ بن العاص، سمرہؓ بن جندب عبداللہ بن عمرو، عمر وہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر ابن خطاب جیسے "ثقہ" راویوں کی ہمیشہ سرپرستی کرتے رہے ہیں اس سے ان کے ذوق خود نمائی کی بھی تسکین ہوتی رہتی ہے ان کی "انا" بھی پھلتی پھولتی رہتی ہے اور ان کی ستمگرانہ روش پر پردہ بھی پڑا رہتا ہے۔ استبداد کی پوری تاریخ کا ایک جائزہ لے جائیں آپ کو استبداد کی مدحت سرائی میں رطب اللسان لوگوں میں دو ہی طبقے نظر آئیں گے یا تو مفاد پرستوں کا گروہ جس کا کام ہی ابن الوقتی، طالع آزمائی اور خود غرضی رہا ہے یا پھر تیسرے درجہ کے لوگ جن کے ہاں معیار اخلاق ہی یہ ہے کہ وہ بداخلاقی کے مظاہرہ کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

استبداد کی دل وجان سے حمایت کرنے والے یہ دونوں طبقے مستبد حکمرانوں کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی حکمت عملی کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور در پردہ چشم یار کی شہ پاکر "عوام کے مختلف طبقات کو کچلنے اور دبانے کی ہر ممکنہ جدوجہد میں پیش پیش رہے ہیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ قلم جس کی عصمت کی قسم قرآن مقدس نے کھائی اور جسے علم کا منبع قرار دیا اسی قلم کے دھنی سب سے زیادہ بے ضمیر اور خمیر فروش ثابت ہوتے رہے۔

میں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں جب شعور و وجدان کا آغاز تھا ادیبوں اور قلمکاروں کے بارے میں عجیب عجیب تصورات باندھ رکھے تھے اور میرا خیال تھا۔

کہ اہل قلم سے زیادہ حساس، خودنگر، خودشناس، غیرت مند اور صاحب کردار و ضمیر اور کوئی نہیں ہوتا بالخصوص ترقی پسند ادیبوں کے افکار و نظریات کے مطالعہ سے تو یہ خوش اعتقادی اس حد تک بڑھ گئی کہ ترقی پسند ادیبوں کو فوق البشر قسم کی مخلوق سمجھنے لگا۔

لیکن عقل و شعور کے ساتھ ساتھ جب نقد و تبصرہ کا شعور حاصل ہوا کہ اہل قلم کی بستی میں شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ملیں گے جو وہی کچھ لکھیں جو محسوس کریں اکثریت ان قلم و ضمیر فروشوں کی ہے جو بقول غالب

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

اور "عیار طبع خریدار" کیا ہے چند روپہلی سکوں اور نقرئی خزف ریزوں کی تھیلیاں یا عیش و عشرت دنیا کے چند اسباب۔ نتیجہ اس ٹکاڈمال میں ایسے ایسے "عظیم دانشوروں" کے نام دیکھنے اور سننے میں آئے جنہیں ادبی دنیا میں شہرت و ناموری کا منصب بلند حاصل تھا جن کی افسانہ نگاری، جن کی شاعری، جن کی صحافتی، ادبی، فکاہی اور علمی زندگی کے دوسرے بہت سے پہلو عوام میں پسندیدگی اور استحسان کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

جب تہذیب و ادب و ثقافت کے اس دور میں صحافی اور اہل قلم بازار کی جنس فروما یہ بن سکتے ہیں تو ابوہریرہ جیسے حدیث العہد نومسلموں سے یہ توقع کرنا کہ وہ اپنے آقائے ولی نعمت معاویہ کی خوشنودی الطبع کی خاطر چند جھوٹی حدیثیں نہیں گھڑے گا کہاں تک درست ہوگا۔

ایک اور ضمیر فروش صحابی

ابوہریرہ ہی کی قماش کے ایک اور صاحب سمرہؓ بن جندب ہیں ان پر بھی "صحابیت" کی تہمت لگی ہوئی ہے۔ معاویہ نے اس "صحابی رسول" کو چار لاکھ درہم دیئے صرف اس لیے کہ وہ اہل شام کے سامنے سیدنا علی علیہ السلام کی مذمت میں کوئی حدیث سنائے چنانچہ اس بدبخت نے ایک ایسی حدیث وضع کی جس میں قرآن مقدس کی دو آیات کریمہ کو بھی ملوث کر لیا اس نے کہا۔ ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولیٰ سعیٰ فِی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد۔

•

سمرہ بن جندب نے ایک ایسے شخص کو اپنی کذب بیانی اور الزام تراشی کا نشانہ بنایا جو بلا اختلاف امت "خلیفہ راشد" قرار دیا جاتا ہے اس کے باوجود کچھ احمق لوگ اس بات پر بضد ہیں کہ کسی صحابی کو برا بھلا مت کہو خواہ وہ صحابی ابوہریرہ اور سمرہؓ بن جندب جیسا کذاب ہی کیوں نہ ہو۔

یہ وہی سمرہؓ بن جندب ہے جس سے حضورؐ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا

تھا کہ تم اپنے کھجوروں کے فلاں درختوں کے عوض فلاں مقام پہ اتنے ہی کھجوروں کے درخت لے لو تو اس نے حضورؐ کی اس پیشکش کو ماننے سے صاف انکار کر دیا حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشکش دو تین مرتبہ دہرائی اور اجر و ثواب کی اس پر مستزاد یقین دہانی بھی فرمائی لیکن یہ شخص ٹس سے مس نہ ہوا۔ بالآخر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر یہ درخت بلا قیمت اور بلا کسی معاوضہ کے کاٹ دیئے گئے اور اس طرح حضورؐ کی نافرمانی اور آپؐ کے حکم سے سرتابی کے باوجود اس کی صحابیت تنقید سے بالا تر رہی۔

ان حضرات کا دھندا شراب فروشی تھا اور یہ دھندا حرمت شراب کے بعد بھی جاری رہا۔ علامہ جار اللہ زمخشری نے "الفائق" میں عمر ابن خطاب کا قول نقل کیا ہے۔

ان سمرۃ بن جندب باع خمرا قاتل اللہ سمرۃ الم یعلم ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لعن اللہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فجملوھا فباعوھا ای اذابوھا فباعوھا۔

سمرہؓ بن جندب شراب فروشی کا دھندا کرتا ہے اللہ اس سمرہ کو غارت کرے کیا وہ نہیں جانتا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالےٰ یہودیوں پر لعنت کرے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی مگر انہوں نے چربی کو تیل کی شکل میں پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا۔ غالباً یہ سمرہؓ شراب فروشی کا دھندا بھی کسی قسم کی جعل سازی اور حیلہ گری کے ذریعے کرتا ہو گا مگر روایات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ سمرہ بن جندب اگر شراب فروشی کا مجرم تھا تو خلیفہ دوم شراب نوشی کے عادی تھے۔

مغیرہؓ بن شعبہ - ایک بدفطرت انسان

اور اب ایک اور صحابی رسولؐ کا احوال بھی پڑھ لیجئے۔ یہ مغیرہؓ بن شعبہ ہے جس کی تعریف میں حسب معمول اہل سنت زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور اسے عرب کا ایک بڑا سیاست دان قرار دیتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی ابن ابیطالب علیہما السلام کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرنے والوں میں اس بدنہاد انسان کا نام بھی شامل فہرست ہے۔

یہ وہی مغیرہؓ بن شعبہ ہے جس کے بارے میں فن اسماء الرجال کی مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ اس نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا تھا۔ خلیفۂ دوم کے زمانہ میں یہ شخص بصرہ کا گورنر تھا اور زنا کرتے ہوئے موقعہ پر پکڑا گیا تھا اس کے جرم کے عینی گواہوں میں ایک صحابی ابوبکرہ بھی تھے لیکن چوتھا گواہ زیادؓ بن سمیہ چونکہ مغیرہؓ کا دوست تھا اس لیے اس نے لفظوں کے الٹ پھیر سے گواہی کو مشکوک کر دیا اور یوں مغیرہؓ کی جان بچ گئی۔ یہ وہی زیادؓ ہے جو ابوسفیانؓ کا ولدالحرام تھا۔ یہ وہی مغیرہؓ بن شعبہ ہے جس کی "صحابیت" نے امت محمدیہ کو اس کے بالکل ابتدائی دور میں ایک ایسی لعنت سے دوچار کیا جس کے اثرات بد سے یہ اُمت آج تک اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکی۔

ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ "الکامل" میں مغیرہؓ بن شعبہ کی دسیسہ کاریوں کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے اور ان لوگوں کے حوصلے کی داد

دیجئے جو اس قماش کے بدکردار لوگوں کو امت محمدیہ کے مقتداو پیشوا بنا کر پیش کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے نہ انہیں خدا کا خوف دامنگیر ہوتا ہے نہ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے شرم وحیاء محسوس ہوتی ہے ۔مغیرہ بن شعبہ کوفہ کا گورنر تھا معاویہ نے اسکو معزول کر دینا چاہا مغیرہ کو جب معاویہ کے اس ارادے کا علم ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"میری رائے میں اب موقعہ ہے کہ میں از خود معاویہ کے پاس جاکر اس کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کردوں تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے اور میرے بارے میں یہ تاثر پیدا ہو کہ مجھے گورنری کے عہدہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔

معاویہ کے پاس جانے سے قبل اس نے اپنے محرم راز دوستوں سے بڑے تیقن کے ساتھ یہ بات کہی کہ اگر اس مرحلہ پر میں نے اپنی گورنری پکی نہ کی تو پھر کبھی ایسا موقعہ نہیں آئے گا۔

اس کے بعد مغیرہ معاویہ کے پاس جانے سے قبل اس کے لڑکے یزید کے ہاں پہنچ گیا اور اس سے کہا انہ قد ذھب اعیان اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وکبراء قریش وانما بقی ابناؤھم و انت من افضلھم واحسنھم رایا واعلمھم بالسنۃ والسیاسۃ ولا ادری ما یمنع امیر المومنین ان یعقد لک البیعۃ ۔ قال اوتری ذلک یستم ؟ قال نعم!

محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بڑے بڑے صحابہ اور قریش کے بزرگ انتقال کر چکے ہیں اب ان کی اولاد باقی رہ گئی ہے ان میں سب سے افضل اور عقل وخرد کے اعتبار سے سب سے بہتر اور سنت وسیاست کا سب سے بڑا عالم تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے میں نہیں جانتا کہ امیرالمومنین (معاویہؓ) کو تمہاری ولی عہدی کا اعلان کرنے میں کیا چیز مانع ہے اور وہ تمہاری خلافت کی بیعت کیوں نہیں لیتے!

یہ سن کر یزیدؓ کے دل کی کلی کھل اٹھی بے ساختہ بولا۔ تمہاری رائے میں یہ منصوبہ تکمیل پذیر ہو سکے گا؟ اور یہ بیل منڈھے چڑھ سکے گی؟"

مغیرہؓ بولا۔ کیوں نہیں!

یزیدؓ مغیرہ بن شعبہ کے سازشی دماغ کی اس حسب تمنا تجویز کو لے کر اپنے باپ کے پاس گیا معاویہؓ نے فوراً ہی مغیرہؓ کو طلب کیا اور پوچھا یزیدؓ نے تمہاری تجویز کے متعلق جو کچھ کہا ہے آیا یہ درست ہے؟ مغیرہؓ کہنے لگا۔

امیرالمومنین! میں دیکھ رہا ہوں بہت خون بہہ چکا ہے اور عثمان بن عفان کے قتل کے بعد امت میں جو اختلاف رونما ہوا وہ بھی میری نظروں کے سامنے ہے یزیدؓ کی صورت میں تمہارا جانشین موجود ہے اس کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیجئے تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو آپ کا لڑکا لوگوں کے لیے آپ کا جانشین اور رعایا کے لیے جائے پناہ ثابت ہو اور خوں ریزی اور فتنہ انگیزی کا امکان باقی نہ رہے۔

معاویہؓ بولا لیکن تمہاری اس تجویز پر عمل درآمد کے سلسلے میں میری مدد

کون کرے گا؟

مغیرہ نے جواب دیا۔ "بصرہ والوں کے لیے میں کافی ہوں اور کوفہ والوں کے لیے زیاد کافی رہے گا اگر ان دو مرکزی شہروں کا معاملہ درست رہے تو کہیں اور سے مخالفت کا امکان نہیں ہے"۔

معاویہؓ نے مغیرہؓ سے کہا۔ ٹھیک ہے تم بصرہ کی گورنری سنبھالو اور وہاں بھروسہ کے آدمیوں سے اس بارے میں بات چیت کرو۔

اس کے بعد مغیرہؓ، معاویہؓ سے رخصت ہو کر اپنے دوستوں کے پاس آیا اور بولا۔

"خوب رہی۔ میں نے معاویہؓ کا پاؤں ایک ایسی رکاب میں پھنسا دیا ہے۔ جس میں سے وہ کبھی باہر نہیں نکل سکے گا اور اسے ایک ایسے گڑھے میں گرا دیا۔ جس میں سے وہ کبھی باہر نہیں آسکے گا اور امت محمدیہ پر اس کے اثرات مدتوں تک محسوس کئے جاتے رہیں گے۔

بصرہ پہنچ کر اس ملعون شخص نے زر خرید لوگوں کے وفود بنا بنا کر معاویہ کے پاس بھیجنے شروع کئے جو معاویہؓ کو آکر یقین دلاتے تھے کہ یزیدؓ کی ولی عہدی اور حکومت کے لیے اس کی نامزدگی بہترین تجویز ہے ایسا ہی ایک وفد جو دس افراد پر مشتمل تھا۔ مغیرہؓ نے اپنے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں معاویہ کے پاس بھیجا اس وفد نے معاویہ کو اپنی چرب زبانی کے ذریعے یہ تاثر دیا کہ حالات کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ یزیدؓ کی بیعت لی جائے اور اسے ولی عہد نامزد کر دیا جائے معاویہؓ نے اس وفد سے کہا۔

سر دست تم اس رائے کا اظہار مت کرو اور اس مقصد کے لیے زمین ہموار کرتے رہو۔ پھر معاویہؓ نے وفد کے سربراہ موسیٰ بن مغیرہؓ بن شعبہ کو تنہائی میں بلا کر پوچھا کہ "تمہارے والا نے کتنے پیسوں میں ان لوگوں کا دین و ایمان خریدا ہے؟"

موسیٰ بن مغیرہؓ نے کہا۔ "صرف تیس ہزار درہم میں"۔

معاویہؓ نے کہا۔ "ان کا دین تو بہت ارزاں رہا"۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو صحابہ کی ہر غلط کاری کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس اجتہادی غلطی پر انہیں اجر و ثواب کا مستوجب گردانتے ہیں مغیرہؓ بن شعبہ کا یہ طرز عمل کیا اجتہادی غلطی تھی یا اپنی گھٹیا اغراض کی تکمیل اور مطلب برآری کے ذلیل حربے تھے۔ ایک شخص صرف اپنی گورنری کے عہدہ کو برقرار رکھنے کی خاطر امت محمدیہ کو ایک ایسی صورت حال سے دوچار کر رہا ہے جس کی سنگینی کا اسے خود بھی احساس ہے وہ حاکم وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے نااہل اور فاسق و فاجر بیٹے کی ولی عہدی کی تجویز پیش کرتا ہے اور اس کے عوض اپنی نوکری پکی کر لیتا ہے اور اس پر بھی بعض افراد یہ لوگ اس بات پر بضد ہیں کہ "صحابہ کو کچھ نہ کہو"

اگر اسی کا نام اجتہادی غلطی ہے تو پھر جرم و گناہ کسے کہتے ہیں بدنیتی کیا ہے، اور خبث باطن اور بد فطرتی کا کیا نام رکھا جائے۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

اجتہادی غلطی کا اصل روپ

"اجتہادی غلطی" کی یہ ملعون اصطلاح بھی خلیفہ اول ابوبکر ابن ابی قحافہ کی "ایجاد بندہ" ہے جس طرح انہوں نے خالدؔ بن ولید کی زنا کاری کو سند جواز بخشی اور اسے خالد بن ولید کی اجتہادی غلطی سے تعبیر کیا اس کے بعد وہ کونسا جرم باقی رہ جاتا ہے جسے اجتہادی غلطی کا جامہ پہنا کر مستحق تحسین قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ صحبت نبوی کے فیض یافتگان سے گناہ و معصیت کا سرزد ہونا محال ہے اس غلط نظریہ کی اساس بھی یہی اجتہادی غلطی کا خود ساختہ فلسفہ ہے شرط صرف یہ ہے کہ وہ صحابی کوئی بھی ہو لیکن ہو سیدنا علیؑ کے مخالف کیمپ میں تب تو اسکی ہر غلطی کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ "اس بیچارے سے اجتہادی غلطی ہوگئی" اور اجتہادی غلطی پر تو مجتہد کو اجر و ثواب ملتا ہے۔

اور اگر وہ صحابی محبان اہل بیت نبوت میں سے ہو اور سیدنا علی علیہ السلام سے رابطہ قلبی استوار رکھتا ہو تو اس کا کلمہ حق کہنا بھی گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا بجز قتل کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

معاویہؓ نے حجرؓ بن عدی کو دردناک طریقہ سے شہید کروا دیا معاویہؓ کا فعل اجتہادی غلطی کے زمرہ میں آئے گا اور حجرؓ بن عدی کا اپنی زبان کو حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی سے آلودہ نہ کرنا گردن زدنی جرم قرار پائے گا۔

زانی سپہ سالار۔ خالدؓ بن ولید

جب خالدؓ بن ولید نے مالکؓ بن نویرہ کو اس جرم میں قتل کیا کہ وہ ایک حسین عورت کا شوہر تھا اور اس حسین عورت کو ابوبکر کا یہ چہیتا سپہ سالار ہر قیمت پر اپنے حجلۂ ہوس پرستی کی زینت بنانا چاہتا تھا اور اس نے مالکؓ بن نویرہ کو قتل کر کے ایام عدت ہی میں اس سے "صحبت سیٹر" کی مالک بن نویرہ مسلمان تھا اس نے خالد کے سامنے بھی کلمۂ شہادت پڑھا لیکن خالد نے سنی ان سنی کر دی اور اُسے قتل کر کے دم لیا۔

یہ خالدؓ کا پہلا فعل نہ تھا کہ اجتہادی غلطی پر محمول کیا جاتا اس سے پہلے بھی اس نے ایک شخص کو عہدِ رسالت میں اسی طرح انہی حالات میں قتل کیا تھا اور مقتول کے کلمۂ شہادت کے اقرار کو رد کر دیا تھا تب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خالد کو ڈانٹا تھا اس کے اس فعل سے اظہار برأت فرمایا تھا اور مقتول کے بارے میں خالد سے کہا تھا۔ ا شققت قلبہ۔ کیا تو نے اس کا دِل چیر کر دیکھا تھا؟ اور مقتول کے وارثوں کو "دیت" ادا فرمائی تھی تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ نظیر قائم ہو جائے کہ کلمۂ شہادت کے اقرار کے بعد جان لینے اور مار ڈالنے والا ہاتھ رُک جائے۔

یہ کسی دوسرے یا تیسرے شخص کا واقعہ نہیں تھا جب واقعہ خود خالدؓ بن ولید تھا مگر وہ دوبارہ اسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے اور اُسے نہ تنبیہ کی جاتی ہے نہ

سرزنش اٹھاسے "اللہ کی تلوار" کا خطاب مرحمت کر دیا جاتا ہے۔ کیا اللہ کی تلوار سفاک ہوتی ہے کہ اپنے بیگانے سب کے سر کاٹتی چلی جاتی ہے۔ کیا اللہ کی تلوار حسین عورتوں کے شکار کے لیے استعمال کیجاتی ہے کیا اللہ کی تلوار اندھی ہوتی ہے۔

کیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے شخص کو "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا خطاب مرحمت فرما سکتے تھے جس نے ان کی زندگی میں ناحق ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ کیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ اتقوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ تعالےٰ صاحب ایمان شخص کی فراست اور معاملات کی تہ تک پہنچنے کی اس کی خداداد ذہانت سے بچتے رہو کہ وہ حقائق کو خدا کے عطا کئے ہوئے نور سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مردم شناسی کی اتنی استعداد بھی نہیں رکھتے تھے کہ وہ خالدؓ بن ولید جیسے شخص کو اللہ کی تلوار کے خطاب سے نواز دیتے یہ صحیح ہے کہ حضورؐ کی طبع سامی میں ایک انسان کامل کی حیثیت میں مروت، حیا چشمی، رواداری اور شرافت کے محاسن بدرجۂ اتم موجود تھے اور حضورؐ اپنی طبعی افتاد کی بنا پر ایسے لوگوں سے چشم پوشی اور صرف نظر فرماتے تھے جو اپنی خباثت طبع کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے لیکن ایک عظیم انقلابی رہنما، ایک زبردست عالمی مدبر، عوامی نفسیات کے بالغ نظر ماہر اور وحی و الہام خداوندی کے مہبط و مورد کی حیثیت سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کے

مقام سے بخوبی واقف اور ایک ایک فرد کی ذہنی، فکری اور عملی کیفیت سے بخوبی واقف تھے حضورؐ ہی کے اپنے فرمان کے مطابق کہ المومن لا یخدع ولا یخدع " مومن نہ دھوکہ دیتا ہے نہ دھوکا کھاتا ہے حضورؐ کسی بھی شخص کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھا سکتے تھے نہ اس کی باطنی کیفیات سے بے خبر رہ سکتے تھے۔

دس جنتیوں والی جھوٹی روایت اور اس کا جھوٹا راوی عبدالرحمٰن بن عوف

خطابات کی بات چلی ہے تو ضمناً اس حقیقت کا اظہار بھی بے محل نہ ہوگا کہ " صدیق اکبر" اور فاروق اعظم" کے بھاری بھرکم خطابات جو اہل سنت کی کتابوں میں اور ہر کس وناکس کی زبان پر خلیفۂ اولؑ و دوم کے لیے مخصوص کئے گئے ہیں خود اہل سنت کی کسی معتبر و مستند کتاب میں اس کا کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا۔

یہ خطابات بھی " عشرۂ مبشرہ " والی روایت کی طرح من گھڑت اور خود ساختہ ہیں یعنی ان دس آدمیوں کا معاملہ جنہیں اس دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی اور جن کی ہر لغزش اور غلط کاری کو مواخذہ و احتساب سے بالاتر قرار دے دیا گیا ان دس آدمیوں کے جنتی ہونے کی جو ترتیب

پیش کی گئی ہے وہ اس ترتیب کے عین مطابق ہے جو اہل سنت کے ہاں خلافت
کے باب میں ملحوظ رکھی جاتی ہے یعنی پہلے ابوبکر کا نام ہے پھر عمر کا پھر عثمان کا اور
پھر جناب علی علیہ السلام کا اور "عشرہ مبشرہ" والی حدیث میں اس ترتیب کی رعایت
اس حدیث کے موضوع اور جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے اس حدیث کے
من گھڑت ہونے کا ایک اور واضح ثبوت یہ ہے کہ اس کا راوی عبدالرحمٰن بن
عوف ہے جس کا نام بھی دس کی اس فہرست میں شامل ہے۔

مثل مشہور ہے "جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے" اب اگر عبدالرحمٰن بن عوف
کو جس کی دسیسہ کاریوں سے اسلام کا دامن تاریخ تار تار ہے جنتی ہونے کا ایسا
ہی شوق تھا کہ اس کے نام کے بغیر یہ فہرست مکمل ہی نہیں ہو پاتی تھی تو اسے اس
مقصد کے لیے ابوہریرہ کی خدمات بڑی آسانی سے مہیا ہو سکتی تھیں ایک کروڑ
پتی شخص کو دو چار ہزار درہم خرچ کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا اگر اس کے نام
کا ڈھنڈورا پٹ جاتا اور اسے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی شہرت ملے لیکن اتنے گھاگ
سیاست دان اور ایسے گرگ باراں دیدہ سے بھی چوک ہو گئی اور اس نے
"در مدح خود می گوید" کے جوش میں اپنے حق میں ایک حدیث گھڑ لی حالانکہ
پیشہ ور واضعان حدیث کی ایک اچھی خاصی تعداد اس وقت خود گروہ صحابہ
میں موجود تھی بلکہ یہ وہ حمام تھا جس میں بڑے بڑے نامی گرامی لوگ ننگے تھے حتیٰ
کہ خود خلیفۂ اوّل تو اس رسم کے بانی مبانی تھے۔ نحن معاشر الانبیاء لا
نرث ولا نورث ما ترکناہ فھو صدقۃ (ہم انبیاء کا گروہ نہ کسی کے وارث
بنتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث بناتے ہیں ہم جو کچھ ترکہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے)

اس حدیث کے راوی حضرت ابوبکر ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حدیث انہوں نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو محروم ارث کرنے کے لیے بر وقت وضع کی اور اس جماعت کا اعتراف تو خود محدثین نے کیا ہے کہ کسی اور صحابی کے علم میں یہ حدیث یا اس کا مضمون نہیں تھا اب یہ کوئی ایسی راز کی بات بھی نہیں تھی کہ حضورؐ نے صرف ابوبکر کے کان ہی میں کہی اور کسی اور کو کانوں کان خبر نہ ہوئی پھر ایسی حدیثیں بھی وضع کی گئی تھیں جن میں خلیفۂ دوم عمر ابن خطاب کی فضیلت حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ثابت ہوئی تھی اور ان کی برتری پیغمبرؐ کی عظمت سے بھی سبقت لے گئی تھی مگر وہ لوگ سیانے تھے کہ انہوں نے اس قسم کی حدیثیں خود گھڑنے کا تکلف گوارا نہیں کیا بلکہ اس کے لیے "کرایہ کے آدمیوں" کی خدمات حاصل کیں عبدالرحمٰن بن عوف چاہتے تو ایسے ہی کسی کرایہ کے آدمی سے اس قسم کی روایت کہلواتے تو کچھ بات بن جاتی مگر یہاں وہ ٹھوکر کھا گئے اور اس طرح ان کا جھوٹ موقع پر پکڑا گیا۔

باقی رہی ان دس آدمیوں میں سیدنا علی علیہ السلام کے نام کی شمولیت تو یہ محض برائے وزن بیت تھی عبدالرحمٰن بن عوف سے زیادہ کون اس حقیقت سے واقف ہوگا کہ اگر ان دس آدمیوں میں سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کا نام شامل نہ کیا گیا تو باقی نو آدمیوں کے جنتی ہونے پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا البتہ اگر حضرت علیؑ کا نام اس فہرست میں درج ہو جائے تو باقی نوؔ کی بات بھی بن جائے گی۔

لیکن ان جنتیوں کے بارے میں ایک اور جنتی کی کیا رائے تھی اس کا مفصل تذکرہ

کتب سیر و حدیث میں ملتا ہے خلیفہ دوم عمر ابن خطاب کو جب ابولولو فیروز مجوسی نے زخمی کر دیا اور وہ بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے "عشرہ مبشرہ" کے گھرانہ کے ان افراد کو طلب کیا جو بقید حیات تھے یہ چھ حضرات تھے اور خلیفہ دوم نے خود ہی ان کے نام تجویز کئے تھے کہ ان میں سے کسی ایک کو ان کے بعد خلیفہ منتخب کیا جائے جب یہ لوگ ان کے ہاں جمع ہوئے تو انہوں نے اپنی روایتی بدلحاظی اور بے مروتی کے ساتھ ان سے جو سوال کیا وہ ان کی دیرینہ عادت کے عین مطابق تھا انہوں نے پوچھا۔ اکلکم یطمع فی الخلافتہ بعدی ؟ (کیا تم میں سے ہر شخص کو میرے بعد خلیفہ بننے کی ہوس ہے ؟) اس پر لوگ چپ رہے دوبارہ حضرت عمر نے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر حضرت زبیر بن العوام نے جواباً بڑے تلخ لہجہ میں زخمی خلیفہ سے کہا۔ وما الذی یمنعنا منھا وقد ویتھا انت فقمت بھا ولسنا دونک فی قریش ولا فی السابقۃ۔ (ہمیں اس مسند پر بیٹھنے میں کونسی چیز مانع ہے جس پر تم بیٹھ کر کامیابی سے حکومت چلاتے رہے ہو ہم تم سے نہ تو قریش کے قبیلہ میں حیثیت و منزلت کے اعتبار سے کم تر ہیں نہ اسلام میں سبقت کے لحاظ سے تم سے پیچھے ہیں اس جواب سے بدمزہ ہو کر خلیفہ دوم نے کہا۔ میں تمہیں تمہاری حقیقت سے آگاہ نہ کر دوں۔ جواب ملا کہو جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو وہ تم کہہ کر رہو گے اور ہماری پہلے تمہیں کب پرواہ تھی جواب ہو گی۔ عمر سب سے پہلے زبیر پر برسے اور بولے۔

اما انت یا زبیر! نوعق نفس مؤمن الرضا کافر الغضب یوما

انسان دیو یا شیطان۔ (زبیر! جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم ایک یاوہ گو اور بدزبان شخص ہو، خوش ہو تو مومن، غضبناک ہو تو کافر، ہوتے ہو ایک دن انسان ہوتے ہو دوسرے دن شیطان کا روپ دھار لیتے ہو۔)

جنت کی بشارت پانے والا ایک شخص جنت کی بشارت پانے والے دوسرے شخص کو شیطان کا خطاب دے رہا ہے اور جنت ہے کہ دونوں کے قدموں میں لوٹ رہی ہے۔

اس کے بعد ہمارا یہ زخمی شیر جو لب گور ہے دوسرے جنتی کی جانب متوجہ ہوا یہ طلحہ تھے جنہوں نے عمر کی خلافت کے لیے نامزدگی کے موقعہ پر ابوبکر سے کہا تھا۔ ما انت قائل لربک غدا وقد ولیت علینا فظا غلیظا تفرق منہ النفوس وتنغص منہ القلوب۔ (کل خدا کو کیا جواب دو گے تم ہم پر ایک ایسے شخص کو مسلط کر رہے ہو جو نہایت تند خو اور بدمزاج انسان ہے لوگ جس کے نام سے گریزاں اور دل جس کے تذکرے سے مکدر ہو جاتے ہیں۔"

عمر ابن خطاب اس فقرے کی چبھن ابھی تک محسوس کر رہے تھے اس لیے انہوں نے بڑے تلخ لہجہ میں طلحہ سے کہا تمہارے متعلق بھی کہوں یا خاموش رہوں۔ طلحہ نے ترت جواب دیا۔ قل فانت لا تقول من الخیر شیئاً (کہئے البتہ ہمیں علم ہے کہ تمہاری زبان سے خیر کا کوئی کلمہ صادر نہیں ہوگا۔)

عمر ابن خطاب نے جو عبدالرحمٰن ابن عوف کے قول کے مطابق دس جنتیوں میں سے ایک تھے اپنے جنتی بھائی سے مخاطب ہو کر کہا۔ اما انی اعرفک

منذ اصیبت اصبعک یوم احد والذی حدث لک ولقد مات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ساخطا علیک بالکلمۃ التی قلتھا یوم انزلت آیۃ الحجاب۔ (میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب جنگ احد میں تمہیں حادثہ پیش آیا تھا اور تمہاری ایک انگلی اس حادثہ کا شکار ہو گئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو وہ تم سے سخت ناراض تھے اس فقرے کی بناء پر جو تم نے آیت حجاب کے نزول کے وقت کہا تھا۔

اور وہ فقرہ جو بستر مرگ پر بھی عمر ابن خطاب کو یاد رہا وہ طلحہ کا وہ گستاخانہ اور شوخ چشمانہ قول تھا جو آیت حجاب نازل ہونے کے موقعہ پر بے ساختہ طلحہ کے منہ سے نکل گیا تھا۔ حدیث میں یہ فقرہ کچھ اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ ماالذی یغنیہ حجابھن الیوم وسیموت غدا فننکحھن (حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیگمات کو پردہ میں رکھنے سے حضورؐ کو کیا فائدہ۔ کل جب "ان" کا (یعنی حضورؐ کا) انتقال ہو جائے گا تو پھر ہم ان بیگمات کو اپنے نکاح میں لے آئیں گے۔

طلحہ نے جنہیں عبدالرحمن ابن عوف نے ان دس آدمیوں کی فہرست میں شامل کیا ہے جو بقول ان کے جنتی ہیں یہ فقرہ بھری محفل میں کہا اور بعض صحابہ نے اسے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمع گرامی تک پہنچایا انتخاب خلیفہ کے لیے چھ آدمیوں کی جو کمیٹی خلیفہ دوم نے مقرر کی تھی اس کے بارے میں تمام محدثین و مؤرخین نے ان سے یہ بات منسوب کی ہے کہ انہوں نے ان

لوگوں کے بارے میں کہا تھا۔ لم ارا حدا احق بھذا الامر من ھولاء السنۃ الذین توفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو عنھم راض۔
"ان چھ آدمیوں سے زیادہ موزوں مجھے اور کوئی نظر نہیں آتا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب حضورؐ کا وصال ہوا تو وہ ان سے راضی تھے" لیکن ایک سانس میں یہ بات کہہ کر دوسرے سانس میں وہ ان چھ میں سے کم از کم دو کو سراسر نااہل، ان میں سے ایک کو شیطان اور کافر اور دوسرے کو حضورؐ کا ناپسندیدہ شخص قرار دے رہے ہیں۔

خلیفہؓ دوم کی تضاد بیانیاں

اس تضاد بیانی اور ژولیدہ فکری کی وجہ شدید زخمی ہونا نہیں ہے بلکہ خلیفہؓ دوم کی پوری زندگی اسی ذہنی انتشار کی آئینہ دار رہی ہے وہ وقفہ وقفہ سے بیان بدلنے میں ید طولی اور مہارت تامہ رکھتے تھے اسے آپ شدید جذباتیت بھی نہیں کہہ سکتے کہ جذباتی انسان اعلان محبت اور اظہار نفرت میں کوئی تامل نہیں کرتا نفرت ومحبت کے باب میں اس کے جذبات میں شدت پسندی ہوتی ہے لیکن حضرت عمر سے تو خود ان کی بیوی کو یہ شکوہ رہا کہ زندگی میں ایک بار بھی اس کے شوہر نے اس سے محبت کا اظہار نہیں کیا۔
ان کی بیان بدلنے کی یہ عادت ہمیشہ کسی نہ کسی وقتی مصلحت پر مبنی تھی مثلاً انہوں نے ایک بار حضورؐ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے

محبت تو ضرور ہے مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ اس پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ "تمہارا ایمان ابھی مکمل نہیں ہوا۔"
یہ سن کر اسی مجلس میں اور اسی لمحہ اعتراف کر لیا کہ آپ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ لیکن جان سے زیادہ پیار کرنے والا یہ شخص صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضورؐ کی نبوت پر ہی شک و شبہ کا اظہار کرنے لگا جس پر بعد میں کہا کہ مجھے آج بھی اپنی اس تلخ کلامی پر ندامت ہے جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضورؐ کے سامنے مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔

ایک طرف تو ان کی نیازمندی کا یہ عالم تھا کہ بات بے بات پہ وہ کسی قصوروار صحابی کے لیے حضورؐ سے اجازت طلب کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہؐ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔

دوسری جانب جب ابوسفیانؓ کی بیوی اور معاویہؓ کی ماں ہندہ بنت ربیعہؓ بادل ناخواستہ بیعت کے لیے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی اور حضورؐ نے اس سے قرآن مقدس کی ہدایت کے مطابق عہد لینا شروع کیا جس کی ایک شق یہ تھی کہ "تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی" تو اس شتر کینہ شوخ چشم اور بدنہاد عورت نے زہر بھرے طنز کے ساتھ کہا ربینا هم صغیرا وقتلتهم یوم بدر کبیرا۔ (ہم نے تو اپنی اولاد کو بچپن میں پالا پوسا تھا اور جب وہ بڑے ہوئے تو تم نے جنگ بدر میں نہیں تہ تیغ کر دیا)۔

بارگاہ نبوت میں یہ گستاخانہ فقرہ سن کر ایک مسلمان کا خون کھول جانا

چاہیے تھا مگر عمر ابن خطاب کے سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا اور وہ یوں کھل کھلا کر ہنسے گویا ہندہ نے ان کے دل کی بات کہہ دی ہو۔

جن لوگوں کو تہذیب و شائستگی سے ذرا بھی واسطہ رہا ہے وہ جانتے ہیں کہ دشمن کی کسی طنزیہ بات پر دوست کے اوپر ہنسنا بلکہ مسکرانا بھی ایک غیر دوستانہ عمل ہے لیکن یہاں عمر ابن خطاب کھل کھلا کر اور قہقہہ مار کر ہنس رہے ہیں کس پر اس مقتداء و پیشوا پر جسے وہ بار بار اپنی وفاداریوں کا یقین دلانے نہیں تھکتے۔

اب یہ حضورؐ ہی کا ظرف و حوصلہ تھا کہ وہ اس گستاخ اور بے حیا عورت کے اس بے ہودہ فقرے "گندم نما جو فروش یا دوست نما دشمن کے بیباک قہقہہ پر بھی ضبط فرما گئے" کوئی اور ہوتا تو ایسے شخص کو جوتے لگوا کر اپنی مجلس سے باہر نکال دیتا۔

اب یہ بھی تو ان کی تضاد بیانی اور ژولیدہ فکری ہی کا ثبوت ہے کہ جب انصار کے مقابلہ میں وہ ابوبکر کی خلافت کی راہ ہموار کر رہے تھے اور در اصل اس کی آڑ میں وہ اپنے اقتدار کا ڈول ڈال رہے تھے تو انہوں نے اس موقعہ پر انصار کا منہ یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ۔ الائمۃ من قریش ۔ (حکمران صرف قبیلۂ قریش میں سے ہونے چاہئیں ۔)

لیکن جب بستر مرگ تھے تو انہوں نے اپنے ہی کہے کو یہ کہہ کر ملیامیٹ کر دیا کہ "آج اگر حذیفہؓ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں بغیر کسی مشورہ کے اسے

خلافت کے لیے نامزد کر دیتا"

جب اپنا اور اپنے پسندیدہ شخص کا انتخاب درپیش تھا تو قریش کے حکمران بننے کی بچہ کرتے رہا اور جب اس بہتی گنگا میں سے ہاتھ دھو لئے تو اب وہ ایک غلام کی بابت سوچنے لگے کہ امت محمدیہ کی زمام کار اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کے حوالہ کر دیتے موجودہ دور میں کامیاب سیاست دان وہ کہلاتا ہے جس کا ضمیر اس حد تک مردہ ہو چکا ہو کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے پھرنے میں نہ ہچکچائے نہ شرمائے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عمر ابن خطاب حقیقتاً ایک زبردست سیاست دان تھے اور پینترا بدلنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

یہ الگ بحث ہے کہ آیا اس قسم کی دو رخی سیاست کی گنجائش اسلام میں ہے یا نہیں اس کی فکر تو ان لوگوں کو تھی جو اسلام کی تمام مزاجی خصوصیات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے اور اس لیے بساطِ سیاست پر اپنے حریفوں سے مات کھا گئے۔

جب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہزاروں کے مجمع میں۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ؟ کا آوازہ بلند کیا تو سب سے پہلے جس شخص نے سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کو مبارکباد دی۔ وہ یہی حضرت تھے لیکن یہ ان کی سیاسی قلابازی تھی کہ جب علیؑ ابن ابی طالبؑ کی "مولائیت" کے نفاذ قیام کا وقت آیا تو انہوں نے یوں آنکھیں پھیر لیں اور طوطا چشمی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ عقل دنگ رہ گئی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جناب عمر کو اس امر کا بخوبی احساس بھی تھا اور علم بھی کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضور کی سند خلافت پر علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سوا اور کوئی ممکن نہیں ہو سکتا یہ حضورؐ کی خواہش بھی تھی اور وصیت بھی لیکن حضرت علیؑ کو اس جانشینی سے محروم کرنے میں سب سے زیادہ اور بڑھ چڑھ کر حصّہ خود عمر ابن خطاب نے لیا اگرچہ انہوں نے دبے لفظوں میں عبداللہ ابن عباسؓ کے سامنے اپنی اس غلط روی کا اعتراف بھی کر لیا لیکن ایک کامیاب سیاستدان کی طرح انہوں نے مرتے دم تک یہ کوشش کی کہ سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کو مسند خلافت سے دُور رکھا جائے اور اس مقصد کے لیے عبدالرحمٰن ابن عوف کو خصوصی اختیارات دیئے۔

ایک معمولی سوجھ بوجھ کا شخص بھی انتخاب خلیفہ کے لیے عبدالرحمٰن بن عوف کو خصوصی اختیارات دینے کی علت معلوم کر سکتا ہے عبدالرحمٰن ابن عوف عثمان بن عفان کے قریبی رشتہ دار تھے اور ظاہر ہے ان کا جھکاؤ عثمان ہی کی جانب ہونا تھا چنانچہ وہ ایک سیاسی چال کے ذریعہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

ہماری تاریخ کا سب سے حیرت انگیز اور تعجب خیز پہلو یہ ہے کہ اس میں جو شخص جتنا بڑا ظالم خون خوار سفاک اور جابر و ستمگر ہوا اتنا ہی اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے اور اس کی عظمت کے خوب خوب ڈنکے بجائے گئے ہم نے اپنے زمانہ میں خود اپنے ملک کے اندر بعض ایسے کم سواد لوگوں کو دیکھا کہ وہ جب کسی حصہ ملک کے اقتدار پر قابض ہوئے اور انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ظلم و تشدد کا بازار گرم کیا تو ان ظالم اور بد نہاد حکمرانوں کی بیحد

تعریف کی گئی اور انہیں "مردِ آہن" کے بھاری بھرکم خطاب سے نوازا گیا ان کی مدحت سرائی میں قصیدے لکھے گئے، ان کی حب الوطنی کو خراج تحسین پیش کیا گیا یہ روایت کوئی نئی نہیں ہے ہر دور میں اس روایت کو دہرایا جاتا رہا۔ عمر ابن خطاب کی سخت گیری، بے جا احتساب، دار و گیر کی گرم بازاری، اکابر صحابہ کے ساتھ بدسلوکی کے قصوں کو جتنی زیادہ شہرت ملی ان کی عظمت کا سکہ اسی قدر زیادہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا۔

مسلمان قوم کی اس سے بڑی بدبختی اور روسیاہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے ظلم سے نفرت اور ظالم سے اظہار بیزاری کی بار بار تاکید کی گئی تھی لیکن اس نے ہر ظالم حکمران کو اپنا آئیڈیل بنا لیا اور اس کے گن گانے لگی۔

ہمارے مؤرخوں نے دور بنی امیہ و بنی عباس کے ظالم و سفاک حکمرانوں کی منقبت میں کتابیں لکھیں اور ان پر داد و تحسین کے دونگڑے برسائے گئے۔

ماضی قریب ہی شبلی نعمانی نے "المامون" لکھ کر عہد بنی عباس کے اس ظالم اور خون خوار خلیفہ کو نہایت علم دوست، ادب پرور اور انصاف پسند حکمران ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

یہ وہی شبلی نعمانی ہے جس نے "الفاروق" لکھ کر خلیفۂ دوم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑا مدبر اور صاحب الرائے ثابت کیا تھا اور ان کی تحریف دین کی کوششوں کو سند جواز بخشا تھا۔

اسی مؤرخ نے اسکندریہ کے کتب خانہ کو جلانے کے الزام سے خلیفۂ دوم کو بری الذمہ قرار دینے میں بھی ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا لیکن ابن خلدون

کی اس روایت کی تردید کرنے کی اسے جرأت نہ ہو سکی جس میں خلیفہ دوم کے حکم سے فارس کے کتب خانوں کو جلانے اور دریا برد کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ جرم کی نوعیت ایک ہو تو مجرم کی صفائی پیش کرنے سے کیا حاصل۔ ابن خلدون لکھتا ہے۔

"ظہور اسلام کے بعد جب فارس فتح ہوا اور اس میں کتب خانے دستیاب ہوئے تو حضرت سعد ابن ابی وقاص نے حضرت عمر ابن خطاب کو لکھا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے اگر اجازت ہو تو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ نے فرمان صادر فرمایا کہ ان کو دریا برد کر دو کیونکہ اگر ان میں ہدایت ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سب کو بالاتر ہدایت مل چکی ہے اور اگر ان میں گمراہی ہے تو ہم اس کے حاجت مند نہیں لہٰذا تعمیل حکم میں کچھ کتابوں کو دریا برد کیا گیا اور کچھ کو نذر آتش کیا اور یوں پارسی علوم و فنون کا ذخیرہ مٹ گیا اور ہم تک نہ پہنچ سکا۔" (مقدمہ ابن خلدون ترجمہ مولوی سعد حسن خاں یوسفی مطبوعہ کراچی)

یہ طرز عمل اس شخص کا ہے جو خود کو پیغمبرؐ خدا کا جانشین قرار دیتا ہے لیکن کتابوں کو نذر آتش کرنے اور دریا برد کرنے کا فرمان جاری کرتا ہے حالانکہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ قلم کے تقدس کی حامل تھی اور یہ فرمان بھی اسی پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تھا کہ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث اخذھا فھو احق بھا۔ (دانائی کی بات مومن کی متاع گم گشتہ ہے حکمت و دانش کی بات اسے جہاں سے بھی ہے۔ وہ اسے قبول کرے کہ وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے)۔ تہذیب و شائستگی کے کسی دور میں بھی کسی قوم کے علمی ذخیرہ سے دشمنی کا ایسا مظاہرہ

کبھی نہیں ہوا جیسا کہ خلیفہ دوم کے عہد میں کیا گیا۔

ہفت روزہ چٹان لاہور کے ایک پرانے شمارہ میں جواہر لال نہرو (وزیر اعظم ہند) کے واقعات میں پڑھا تھا کہ تقسیم ہندوستان کے ہنگاموں میں جب مسلمانوں کی ایک لائبریری کو ہندو غنڈوں نے آگ لگائی تو نہرو نے یہ منظر دیکھ کر دلی کے چیف کمشنر سے غضبناک ہو کر کہا۔

دیکھتے ہو یہ کیا جل رہا ہے یہ ہماری تہذیب و تمدن کا اثاثہ نذر آتش ہو رہا ہے۔ ایران دنیا کی قدیم ترین تہذیب کا مسکن تھا اور پھر یہ زرتشت جیسے مقدس انسان کا وطن بھی تھا اس کی آسمانی کتاب "ژند اوستا" کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت طیبہ سے کم از کم پانچ سو سال قبل کی یہ کتاب حیرت ناک حد تک قرآن مقدس کے مضامین سے مطابقت رکھتی ہے۔

اس قدیم تہذیب کی آئینہ دار علوم و فنون کی معرکہ آرا کتابوں کو جلانے کی کیا تک تھی اور کیا یہ گھناؤنا جرم اسلام کے مزاج عمومی سے ادنی سی مطابقت بھی رکھتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود حکم یہ ہے کہ یہ خلافت راشدہ تھی اور اس نے جو گل کھلائے ہیں انہیں عین اسلام سمجھو اور ان پر زبان طعن دراز نہ کرو۔

اجتہادی غلطی کی من گھڑت اصطلاح کی طرح "خلافت راشدہ" کی اصطلاح بھی اسی لیے وضع کی گئی اور ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو خلیفہ راشد قرار دے کر اس کے سیاہ کارناموں پر پردہ ڈال دیا گیا۔ یہی وہ "سنت شیخین"

تھی جس کی اتباع کا مطالبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات اقدس سے کیا گیا اور سیدنا علیؓ نے اسے انتہائی حقارت سے ٹھکرا دیا تھا اور یوں اپنی حق تلفی گوارا فرمالی لیکن سنت پیغمبریؐ سے انحراف گوارا نہ فرمایا۔

سنت و اسوۂ پیغمبری سے انحراف کا یہ پہلا واقعہ نہ تھا جو ایک خلیفہ راشد نے اپنے دور اختیار میں روا رکھا۔ اس خلافت راشدہ نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر عمل اور آپؐ کی ہر سنت کو پامال کرنا اپنا دلپسند مشغلہ بنا لیا تھا۔

اسلام میں ہوس ملک گیری کا کیا جواز ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ حضورؐ نے قوموں، ملکوں اور قبیلوں پر چڑھائی کی ہو، جارحانہ جنگ کا اقدام کیا ہو، بلا کسی وجہ اشتعال کے کسی قوم یا ملک سے نبرد آزمائی کی ہو۔

دنیا کا کوئی نظام، کوئی نظریہ، کوئی آئین اور کوئی دین و مذہب تیغ آزمائیوں اور ترکتازیوں کے ذریعے نہیں پھیلا، ہمیشہ اپنے اچھے اصولوں، اپنے دلکش نظریات اور اپنی اعلیٰ اقدار کے ذریعے رواج پذیر ہوا ہے۔

اسلام جو آسمانی ہدایت کا اولین اور آخرین منشور رہا ہے وہ اپنی تعلیمات کے فروغ کے لیے کسی تلوار کا رہین منت نہیں ہے۔ لیکن یہ خلافت راشدہ تھی جس نے "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا" کا تصور پیدا کیا اور اس طرح امن و سلامتی کے سب سے بڑے علمبردار مذہب کو غیروں کی نگاہ میں ایک خونی اور شمشیر بہ کف مذہب کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔

نعرہ بازی اور ہنگامہ خیزی کی سیاست میں شاید اس بات کا سمجھنا مشکل ہو کہ روم و ایران و شام و مصر کی طرف جنگی مہمات کے بھیجنے کا مقصد ہرگز ہرگز تبلیغ اسلام اور اعلاء کلمۃ الحق نہیں تھا کہ دین کی تبلیغ کے لیے تلوار اٹھانا ایک غیر مہذب فعل اور ایک غیر شائستہ طریق کار ہے دنیا میں جن مذاہب کو ڈنڈے کے زور سے منوایا گیا آج ان مذاہب کی شکل وصورت اس حد تک مسخ ہو چکی ہے کہ ان کی اصل تعلیمات کا سراغ لگانا مشکل ہو گیا ہے۔

اسلام کی کتاب قانون و دستور قرآن مقدس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ تم بزور شمشیر دنیا میں اسلام کا پیغام پھیلاؤ اور ایک ایک ملک پر فوج کشی کر کے اس کے باشندوں کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا انہیں اپنا باج گذار بناؤ۔ قرآن کی ہدایات اس باب میں بالکل واضح ہیں وہ کہتا ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (پ ۳ سورہ بقرہ)۔ (دین میں جبر و اکراہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی کے خطوط واضح ہو چکے ہیں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔ وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (پ ۱۵ سورہ کہف) (آپ کہہ دیجیے کہ سچائی کا یہ سند یہ تم لوگوں کے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کی روش اپنا لے۔

خلافت راشدہ کا اسلام۔ ایک خون آشام مذہب

اسلام اگر عقل و دانش اور دلیل و منطق کا دین ہے تو ایسے دین فطرت

کیا جائے گا لیکن اگر اس کے ہاں استدلال کا فقدان ہے تو وہ دین تو نہ ہوا وہ تو محض لٹھ بازی اور شمشیر زنی کا مظاہرہ ہوا۔

قرآن مقدس نے اپنی تعلیمات کی اساس عقل و دلیل کو قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحییٰ من حیّ عن بینۃ (پ سورۂ انفال) جسے تباہ ہونا ہو وہ بھی دلیل کی رو سے تباہ ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

دلیل و دانش کے علمبردار مذہب کو "خلافت راشدہ" نے خوں آشام مذہب میں تبدیل کر کے اسلام کے حق میں جو کانٹے بوئے اسلام کا دامن آج تک اس سے تار تار ہے۔

دنیا میں گوتم بدھ اور یسوع مسیح کو امن و آشتی کے پیغمبر قرار دیا جاتا ہے اور محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شمار جنگ جو پیغمبروں میں کیا جاتا ہے اس سے بڑھ کر تاریخ کی ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے اور یہ سب کیا دھرا ان "خلفائے راشدین" کا ہے جو اسلام کی داخلی اور خارجی پالیسیوں کو اسلام کی مقدس تعلیمات سے ہٹا کر اپنی مستبدانہ خواہشات کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس طرح اپنے وقتی مفاد اور ہنگامی مصلحت کے تحت اسلام کی رسوائی کا باعث بنے اسلام کے دامن خوش نما پر یہ ایک ایسا بدنما داغ خلفاء ثلاثہ کی شورش انگیزیوں سے لگا ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود سے دھویا نہیں جا سکا اور مسلمانوں کو چھوڑ کر پوری دنیائے انسانیت اسلام کو ایک قاتلانہ مذہب قرار دیتی چلی آئی ہے۔ بلاشبہ اسلام میں

جہاد کی شروعیت جاری وساری ہے اس لیے کہ اسلام غیرت وحمیت کا مذہب ہے کوئی شخص یا گروہ یا کوئی ملک اور قوم مسلمانوں کی غیرت وحمیت کو للکارے تو مدافعت کا حق پیروانِ اسلام کو حاصل ہے لیکن چنگیز و ہلاکو کی طرح دوسری قوموں یا ملکوں پر یلغار کرنا انہیں تاخت و تاراج کرنا، ان کی تہذیب و معاشرت اور ان کے تمدن و ثقافت کو ملیامیٹ کر دینا اسلام کی روح اور اس کے مزاج اور اس کی منشا کے خلاف ہے۔

میں جانتا ہوں صدیوں سے مسلمان قوم کا جو عمومی مزاج بن چکا ہے اس کی بنا پر یہ بات شاید اس کے حلق سے نیچے نہ اتر سکے کہ اسلام جارحیت کا مذہب نہیں ہے وہ جنگ جویانہ جوش و جذبہ کی اسی حد تک حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جہاں تک اس کی بقاء کے لیے یہ ناگزیر ہو۔ وہ امن و سلامتی کا داعی ہے وہ زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے پے در پے فتوحات اور ملک گیری کی پیہم کوششیں اور جنگ و جدال اور قتل و خوں ریزی کی مسلسل واردات اسلام کے پروگرام کا کوئی حصہ نہیں ہیں۔

لیکن خلافت راشدہ کے تین ابتدائی عہدوں میں مسلمانوں نے اسلام کے نام پر جو معرکہ آرائی اور جنگ جوئی کی راہ اختیار کی اور اپنوں اور بیگانوں پر یکساں انداز میں جس طرح لڑائی مسلط کی اور پوری امت مسلمہ پر جس انداز میں ہنگامی صورت حال کا نفاذ کئے رکھا وہ اسلامی تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے اور آج تک ہم ان جنگوں اور ہنگاموں کی جواب دہی سے قاصر ہیں اور قوموں کی برادری میں شرمسار ہیں۔

غزوہ تبوک اور پیغمبرِ اسلام کی امن پسندی

کیا اسلام ایک فاشسٹ نظام ہے کیا وہ نپولین، ہٹلر اور مسولینی جیسے فاتح یا خون خوار انسان پیدا کرنا چاہتا ہے کیا وہ خدائی فوجداروں کا ٹولہ ہے جو بلا روک ٹوک کبھی ایک طرف یلغار کرتا ہے کبھی دوسری طرف جہاں تک حضور سرورِ کائنات محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور حضورؐ کی سنتِ سنیہ کا تعلق ہے وہ تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ رومی فوجوں کی جانب سے مملکتِ اسلامی کے وجود کو شدید خطرہ لاحق ہوا اس سے پہلے یہ اسلام دشمن طاقت دنیا کے مسلمہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضورؐ کے سفیر کو قتل کر چکی تھی اور اسی وقت سے مسلمانوں کے معاملہ میں اس کا رویہ معاندانہ رہا تھا۔ سریہ مؤتہ بھی اسی کاروعمل تھا جس میں حضورؐ کے عم زاد حضرت جعفرؓ طیار شہید ہوئے۔

حضورؐ اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رومی سلطنت کی اس جارحانہ کارروائی کے معاملہ میں فوجی تیاری کا حکم دیا، حالات انتہائی نامساعد تھے۔ موسم سخت گرم تھا جنگی ساز وسامان کی کمی تھی اور اس کی بہم رسانی کے لیے اسباب ووسائل نہایت محدود تھے، سفر بھی دور دراز کا تھا غرضیکہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کا یہ ایک کٹھن اور مشکل مرحلہ تھا جسے سر کرنے کے لیے بہت کچھ تگ و دو اور دوڑ دھوپ کرنی پڑی حتیٰ کہ قرآن مقدس میں اس لشکر کو "جیش عسرت" سے تعبیر کیا گیا۔

فوجی جمعیت کے ساتھ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم "تبوک" کے مقام پر پہنچے جو رومی سلطنت کی سرحد پر واقع ایک مقام تھا تو حریف فوجیں میدان سے غائب تھیں اور دشمن کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

یہیں وہ فرق واضح ہوتا ہے جو ایک پیغمبر اور ایک طالع آزما فوجی جرنیل کے درمیان ہوتا ہے حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ دشمن اپنی جارحانہ کاروائیوں کے علی الرغم میدان سے غائب ہے تو حضورؐ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ دشمن کے علاقے پر یلغار کی جائے دشمن کی سرحدوں کے اندر گھس کر زیادہ نہیں تو کچھ آس پاس کی بستیوں ہی کو زیرنگیں کر لیا جائے اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بغیر کسی کارروائی اور کارگزاری کے واپس لوٹنا ٹھیک نہیں ہے اس لیے دشمن کے کچھ علاقے ہتھیا لیے جائیں یہ سب کچھ حضورؐ بھی کر سکتے تھے لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کی امن پسندی پر یقیناً اس سے حرف آتا اور حضورؐ کے مقاصد بعثت و رسالت پر اعتراض کا پہلو ابھرتا۔

تاریخ و سیر کی تمام کتابیں اس امر پر متفق ہیں کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لے آئے۔ اور کسی قسم کا جنگی اقدام نہیں کیا گیا اس لیے کہ اسلام جنگ وجدال کا مذہب نہیں ہے صلح و امن کا پیغام بر ہے۔ غزوہ تبوک کی اہمیت کا تاریخ اسلامی میں اپنا ایک خاص مقام ہے اور یہ وہ پہلی جنگی سرگرمی تھی جس میں ہر عاقل و بالغ مسلمان کی شرکت کو لازمی قرار دیا گیا تھا حتیٰ کہ جن تین آدمیوں نے محض تساہل پسندی سے اس جنگ میں حصہ لینے سے گریز کیا ان کا مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا ان کی بیویوں کو بھی ان سے

بول چال تک سے روک دیا گیا۔

بایں ہمہ جنگ میں پیشقدمی اور جارحانہ کارروائی سے مکمل اجتناب کیا گیا اور دشمن کی فوجوں کو موجود نہ پاکر موقعہ کو غنیمت نہیں جانا گیا بلکہ جنگ سے گریز کیا گیا۔

یہ حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مصلحت پسندی تھی کہ جنگ سے گریز کیا گیا کیونکہ پیغمبرؐ کا کوئی کام مصلحت کوشی پر مبنی نہیں ہوتا وہ جو کچھ کرتا ہے ہدایت خداوندی کی بنیاد پر کرتا ہے جنگ سے اجتناب کی اصل وجہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی بعثت قوموں اور ملکوں پر جنگ تھوپنا اور اس طرح زمین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اور ہر آن "الصلح خیر" کا علمبردار ہوتا ہے۔ یعنی صلح خیر ہے۔

عربی ادب کی روایات میں جنگ کو "شر" (برائی) سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ پیغمبرؐ قائدِ خیر اور رسولِ خیر ہوتا ہے وہ خیر کی تبلیغ و تلقین کرتا ہے اور شر کو مٹانے اور روکنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن وہ نام نہاد خلافت راشدہ جس کے دور کو عہدِ انسانی کا زرین دور قرار دیا گیا ہے اس میں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی کھلم کھلا مخالفت کی گئی اور جہاد کے مقدس نام پر فتنہ و فساد کا بازار ہر طرف گرم کر دیا گیا اور اس میں نہ اپنوں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی نہ بیگانوں کی حتیٰ کہ ان لوگوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا گیا جنہوں نے ابوبکر کی خلافت کو غیر آئینی سمجھ کر انہیں زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔

خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں خلیفہ اول نے جو فوجی مہم شروع کی تھی اسکی دہشت گردی کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ ابوبکرؓ سے اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کا خطاب پانے والا سپہ سالار عین میدانِ جنگ میں حریف قبیلوں کی بہو بیٹیوں کو اپنے حجلۂ عروسی کی زینت بنا لیتا تھا۔

یہاں مجھے پاکستان کے موخر اور سب سے بڑے روزنامہ "نوائے وقت" کے شمارہ ۱۳ مئی ۱۹۷۰ء کا ایک اقتباس یاد آیا اس شمارہ میں "اندازِ صدیق" کے عنوان سے مشہور مصری مؤرخ محمد حسنین ہیکل کے حوالے سے درج یہ واقعہ اپنے اندر عبرت کا بہت سا مواد رکھتا ہے بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ پر تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو۔

"حضرت خالدؓ بن ولید نے یمامہ کی جنگ کے بعد بنو حنیفہ کے سردار مجاعہ کی بیٹی سے شادی کر لی تو حضرت صدیقِ اکبر نے انہیں لکھا (اس سے پہلے مالکؓ بن نویرہ کی بیوی لیلیٰ سے حضرت خالدؓ کے عین میدانِ جنگ میں شادی کرنے کا واقعہ ہو چکا تھا)۔ اے خالدؓ بن ولید انہیں کیا ہو گیا ہے ۔تم عورتوں سے نکاح کرتے پھرتے ہو حالانکہ تمہارے سامنے بارہ سو مسلمانوں کا خون زمین پر پھیلا ہوا ہے جن کے خشک ہونے کی بھی نوبت نہیں آئی۔

(نقل مطابق اصل)

کیا یہی وہ خلافت راشدہ تھی جس کا دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور تاثر دیا جاتا ہے کہ چشم فلک نے اس سے بہتر طرزِ حکومت اور اس سے

زیادہ جامع نظام مملکت نہیں دیکھا۔

اس خلافت راشدہ کا سپہ سالار ایسی مذبوحی حرکات کر رہا ہے اور پے بہ پے کر رہا ہے اور اس کے مواخذہ و احتساب کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی ایسے سنگین بدعنوانی کے واقعہ کو محض ایک تہدیدی خط کے ذریعے ٹال دیا گیا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور عوام کے چند شوریدہ سر لوگوں کے منتخب حکمرانوں کے دور حکومت کو خلافت راشدہ کہنا بہت بڑی اور نہایت ناروا جسارت ہے۔ زیں چنیں مرداں چہ امید بہی؟

تاریخ انسانیت کا بدترین دور

اگر خلافت راشدہ اسی کو کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے ساتھ بے مروتی اور بدسلوکی کا معاملہ کیا جائے۔ احسان فراموشی اور گربہ چشمی کا مظاہرہ کیا جائے اسلام دشمن قبیلوں کو اسلام کے لیے سب کچھ لٹا دینے والے قبیلوں پر ترجیح دی جائے۔ غنڈہ گردی کے ذریعے پیغمبرؐ کی وصیت کو منسوخ کر دیا جائے۔ حضورؐ کی اکلوتی اور چہیتی بیٹیؑ کے مکان کو نذر آتش کرنے کی دھمکی دی جائے اور ان کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی کا ایسا مظاہرہ کیا جائے کہ ان کا حمل ساقط ہو جائے پیغمبرؐ کی اس محبوب بیٹیؑ کو اس کے مقدس باپ کے ورثہ سے جھوٹ کا سہارا لے کر محروم کر دیا جائے رذیلوں کو سر چڑھایا جائے اور شریفوں کی بے آبروئی کی جائے۔

اگر خلافت راشدہ اسی کا نام ہے کہ اس کا مقرر کردہ سپہ سالار حریف قبیلوں کی بہو بیٹیوں کو عین میدان جنگ میں اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے۔

اگر خلافت راشدہ کی یہی اوقات ہے کہ ملک میں ہنگامی حالت نافذ رکھی جائے اور اسے مسلسل طول دیا جاتا ہے۔ اور اسلام کی تبلیغ کے نام پر ملکوں کے امن و سکون کو درہم برہم کیا جاتا ہے اور پوری قوم کو جنگی جنون کی نذر کر کے اپنی مدتِ حکومت میں توسیع کی جائے۔

اگر خلافت راشدہ ہاتھ میں دُرّہ اٹھائے ایک ایک فرد رعایا کا تعاقب کرتی نظر آئے، بعض بڑے بڑے با اثر صحابہ کو پابند مسکن کر دے اور خوف وہراس کی ایک ایسی فضا پیدا کر دے جس میں کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہو۔ اگر خلافت راشدہ خویش پروری، اقربا نوازی، جنبہ داری اور دوست نوازی کے طور طریقے اپنائے اور اس کو عین اسلامی طرزِ زندگی قرار دے۔

اگر خلافت راشدہ اپنے خاندان کے نااہل افراد کو "اندھا بانٹے ریوڑیاں اور پھر اپنوں کو دے" کا وطیرہ اپنائے اور اپنے قریبی رشتہ داروں پر بیت المال کا مُنہ کھول دے کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ اگر خلافت راشدہ اپنے مخالفین کو جن میں سے بیشتر جلیل القدر صحابہ ہیں جلاوطن کرنے، ملک بدر کرنے اور اذیتیں دینے کو اپنا معمول بنائے۔

اگر خلافت راشدہ عوام کے مطالبہ کو مسلسل نظر انداز کرتی رہے، ضد، ہٹ دھرمی اور بے جا جبر و تشدد کے ذریعے عوامی خواہشات کو دباتی اور کچلتی رہے اور محض ایک شخص کو تحفظ دینے کے لیے جس کا کردار نہایت مشکوک اور گھناؤنا

تھا عوام کے مقابلہ پر تل جائے اور کسی معقول اور جائز بات کو سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

تو یہ خلافت راشدہ نہیں کسی فسطائی آمر کا دورِ استبداد ہے۔ یہ ہلاکو اور چنگیز کی روایت ہے یہ ظلم و استحصال کا انداز ہے اور افسوس کہ اس خلافت راشدہ کے پچیس سالہ دورِ استبداد نے مسلمانوں کی پوری تاریخ کو جبر و استبداد کی تاریخ بنا کر رکھ دیا اور اس خلافت راشدہ کے عہد نامسعود میں جن ناخوشگوار روایات نے جنم لیا وہ پچھلے چودہ سو برس میں مسلمانوں کی قومی روایات بن چکی ہیں اور اب ان سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

خلافت راشدہ کے اس نام نہاد اور فرضی تقدس نے ہر ظالم و جابر حکمران کو یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ اپنے مستبدانہ اور ظالمانہ طرزِ حکومت کو خلافت راشدہ کے طور طریقوں کے حوالے سے سند جواز بخشے۔

اگر انتخاب خلیفہ کے لیے خواہ وہ کیسا ہی نااہل کیوں نہ ہو اکثریت کی رائے کو حتمی قرار دینے کی بات ہو خواہ وہ اکثریت کتنی ہی بے خبر، ناسمجھ اور بے ضمیر کیوں نہ ہو تو ابوبکر کی خلافت کے لیے نامزدگی کو بہ طور ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن مقدس نے "اکثریت" کو ہمیشہ ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ قرآن مقدس میں بار بار ان فقروں کی تکرار ملے گی۔

ولکن اکثر الناس لایعلمون	لیکن لوگوں کی اکثریت علم سے بے بہرہ ہے۔
ولکن اکثر الناس لایعقلون	لوگوں کی اکثریت عقل سے بے بہرہ ہے۔
ولکن اکثر الناس لایشکرون	انسانوں کی اکثریت ناشکر گزار ہے۔

ولکن اکثر الناس لا یفقھون   انسانوں کی اکثریت سمجھ بوجھ سے عاری ہے

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد ہوا۔

لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك کثرۃ الخبیثہ (پاک اور ناپاک کبھی برابر نہیں ہو سکتے خواہ ناپاک لوگوں کی کثرت تمہیں کتنا ہی حیران کیوں نہ کرے۔)

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے کہ:

وقلیل من عبادی الشکور   میرے سپاس گذار بندے بہت کم ہیں۔

انگریز کی روایات کے مطابق کہ اکثریت ہی قانون ہے (MAJORITY IS LAW) انتخاب خلیفہ کے لیے نا اہل اکثریت کو فیصلہ کن حیثیت دی گئی اور اسے "اجماع امت" کا نام دیا گیا۔ اجماع امت کا یہ تصوّر جسے استعمال کر کے ہر غلط بات کو درست قرار دیا گیا اسلام کے مزاج سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا اس لیے کہ آج تک کوئی ایسا اجماع متحقق نہیں ہوا۔ بجز عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے، جس اجماع میں امت کے تمام اصحاب عقل و دانش اور ارباب فکر و نظر متفق ہو گئے ہوں یہ محض اکثریت کے فیصلے تھے جنہیں اجماع کا نام دیا گیا۔

اکثریت کی رائے کو حتمی اور قطعی شکل دینے کی تجویز مغربی ذہن کی پیداوار ہے اور جمہوریت کی موجودہ مروجہ صورت جس میں اکثریت کی رائے کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے انقلابِ فرانس کے بعد متعارف ہوئی اِس جمہوری طرزِ حکومت میں "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"، کا غیر منطقی اور

غیر عقلی فلسفہ کارفرما ہے۔

اکثریت کی فرماں روائی کے استحقاق کو جسے اقبال نے ایک انسان کے مقابلہ میں دوسو گدھوں کی فرمانروائی کے مترادف قرار دیا ہے کہ

از مغز دوصد خر فکر انسانی نمی آید

اسلام میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ لیکن انقلاب فرانس سے بہت پہلے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں نے دھاندلی اور دھونس کے ذریعے اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا اس اکثریت میں بیشتر افراد وہ تھے جن کا اسلام فتح مکہ کا رہین منت تھا جن کے بارے میں قرآن مقدس نے وضاحت کی تھی کہ

قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ۔ (عرب کے بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں آپ فرما دیں کہ نہیں تم ایمان نہیں لائے البتہ یوں کہو کہ تم نے اطاعت قبول کر لی ہے ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

یہ اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جن میں سے بیشتر کا اسلام دفع الوقتی کا ایک ذریعہ تھا اور جو محض جان بچانے یا سماجی اعتبار سے بے دخل ہونے کے خوف سے اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے ۔ اسلام ان کے لیے ایک کڑوا گھونٹ تھا۔ زہر کا پیالہ تھا لیکن انہیں اسے بادل ناخواستہ حلق سے نیچے اتارنا پڑا کہ معاشرہ میں ان کی سرداری کی ساکھ برقرار رہے ۔

اب بھلا اس بات کو کون عقل مند تسلیم کر سکتا ہے کہ ابوسفیان جیسا اسلام کا

بدترین دشمن جس نے فتح مکہ کے آخری دن تک حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مخالفت ترک نہ کی اور اسلام دشمنی کی روش پر گامزن رہا۔ راتوں رات اس کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ وہ اسلام کے لیے مخلص ہوگیا اور حضورؐ کی نبوت و رسالت پر اسے یقین آگیا اور وہ دل و جان سے اسلام کے نظریات کا گرویدہ اور دین حق کا دالہ و شیفتہ ہوگیا۔

ایسے بیشمار لوگ تھے جو غلبۂ اسلام کے سبب دھڑا دھڑ مسلمان ہوتے چلے گئے اور اسی میں انہوں نے اپنی عافیت سمجھی اگر حضورؐ کے اخلاق طیبہ کے سبب یہ لوگ اسلام قبول کرنے پر یکایک آمادہ ہوئے تھے تو کیا حضورؐ کے اخلاق عالیہ کا کوئی پہلو ان سے ڈھکا چھپا تھا وہ شخص جو اپنے معصوم بچپن اور اپنی بے داغ جوانی کی ساری رعنائیوں اور خوبیوں کے ساتھ انہی لوگوں کے درمیان پھلا پھولا تھا اور جس نے اپنی پاکیزہ زندگی کو چیلنج کے طور پر ان حضرات کے سامنے یہ کہہ کر پیش فرمایا تھا کہ قد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تمہارے اندر رہ کر گذارا ہے کیا تم عقل سے بالکل ہی بے بہرہ ہو۔

ظاہر ہے کہ حضورؐ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں انہیں کوئی اشتباہ نہیں تھا اگر انہیں متاثر ہونا ہوتا تو وہ بہت پہلے ہی اس سے متاثر ہو جاتے۔ ابوسفیانؓ کے بارے میں تو کتب حدیث وسیر میں آتا ہے کہ اس نے ہرقل کے دربار میں جب وہ تجارتی سفر پر شام گیا ہوا تھا حضورؐ کی اخلاقی عظمت کا اعتراف کیا تھا باایں ہمہ اس نے حضورؐ کی مخالفت آخری مرحلہ تک ترک نہیں کی۔

اب فتح مکہ کے فوراً بعد یکایک صورت حالات میں ایسی کونسی اچانک تبدیلی آگئی تھی کہ انپر حضورؐ کی طبع سامی کے جوہر آشکارا ہوئے اور وہ جو ایک دن پہلے تک خون کے پیاسے تھے جاں نثار اور وفادار بن گئے اور ان کی دشمنی چند لمحوں اور ساعتوں میں اخلاص و محبت میں بدل گئی۔

شتر کینہ قوم

شتر کینگی اور انتقام کی آگ میں جلتے رہنا اور آتش انتقام کو فرو کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ذریعہ استعمال کرنا عربوں کی مزاجی خصوصیت تھی ظاہر ہے صدیوں کی یہ روایت ایک دن میں ختم ہونیوالی نہیں تھی اور دیکھتی آنکھوں جذبات میں یکسر تبدیلی اور کردار میں مکمل انقلاب کبھی عمل میں نہیں آیا۔

دل میں کسی کے لیے کوئی نرم گوشہ پہلے سے موجود ہو تو چشم زدن میں تعلقات میں حائل دشواریاں دُور ہو سکتی ہیں مگر جہاں دشمنی کا پس منظر خاندانی بھی ہو، سماجی بھی ہو، معاشی بھی ہو، معاشرتی بھی ہو اور سیاسی بھی تو وہاں دلوں کی کدورتیں دھلنے میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے یہ لمحوں اور ساعتوں کا قصہ نہیں ہوتا خاندانوں اور نسلوں کا معاملہ ہوتا ہے میں نے اپنی پہلی کتاب "سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ اور ان کے سیاسی حریف" میں خاندان بنی اُمیّہ کی اسلام دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

یزید کی خاندانی روایات کا تصور کیجئے اور پھر عرب قوم کی ذہنی اور سیاسی کیفیت کا جائزہ لیجیے تو ایک بات واضح ہو کر آپ کے سامنے آئے گی کہ یزید نے اپنے عہد اقتدار میں جو ظالمانہ اقدامات کیئے وہ اس کے خاندان کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جسے یزید نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا یعنی جو کام یزید کے دادا ابوسفیان نہ کر سکا اور جس کی تکمیل کی حسرت لیے معاویہ دنیا سے رخصت ہو گیا اس کام کو ابوسفیان کے فرزند ارجمند معاویہ کے بیٹے یزید نے پورا کر دکھایا۔

عرب کے شریانوں میں شترکینگی کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ کارفرما تھا۔ بتدریج وقت اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ سرد نہیں پڑتا تھا بلکہ دو آتشہ اور سہ آتشہ ہوتا چلا جاتا تھا۔

معاویہ کی ماں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت ربیعہ نے جنگ احد میں نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عم گرامی قدر سید الشہداء حضرت حمزہ کی شہادت کبریٰ کے بعد جس طرح ان کے جسد اطہر کا مثلہ کیا ان کے اعضاء رئیسہ کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا ان کے جگر کو دانتوں سے چبایا اور ان کا خون پی کر اپنے انتقام کی آگ بجھائی وہ اسی شترکینگی کا ایک ناپاک مظاہرہ تھا۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر سوچئے کہ ابوسفیان کو اس امر کا کتنا صدمہ تھا کہ بنوامیہ کے حریف قبیلہ بنوہاشم کے ایک فرد فرید نے مدینۃ المنورہ جا کر اپنی قوت کو مجتمع کیا اور اس قوت کے بل پر مکہ فتح کر لیا۔ اور ابوسفیان کی

سرداری حرف غلط کی طرح مٹ گئی اسکی رئیسانہ عظمت ملیامیٹ ہوگئی اور بنی اُمیہ کی شان و شوکت حضور اقدس صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قدموں کی ٹھوکر کے سامنے ریت کا گھروندہ ثابت ہوئی۔

عرب کی بساط سیاست و اقتدار پر ابوسفیانؓ اور اُس کے قبیلہ نے جو شہ مات کھائی اس کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا تھا کہ نہ صرف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خاندان کو تہ تیغ کیا جائے بلکہ مدینہ کے باسیوں کا بھی قتل عام کیا جائے اور حضور کی امداد و اعانت کے صلہ میں ان کی بہو بیٹیوں کی عصمت و ناموس کو بے دریغ لوٹا جائے اور آئندہ بنو ہاشم کے کسی فرد کو مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے تمام مواقع ختم کر دیئے جائیں۔

ابوسفیانؓ کے اس ناپاک منصوبہ کو اس کے پوتے یزید لعین ملعون نے عملی جامہ پہنایا اور ثابت کر دیا کہ بنو اُمیہ کا قبول اسلام محض ایک فریب اور دھوکا تھا۔"

کیا ابوسفیانؓ اور معاویہؓ اور خاندانِ بنی اُمیہ کے دیگر افراد نے نام نہاد خلافت راشدہ کے دور کم سواد میں خانوادۂ بنو ہاشم کے درپئے آزاد ہونے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا۔

کیا عرب کے سب سے چھوٹے قبیلہ بنو تیم اور اس کے چھٹ بھیا بنو عدی کے افراد کو مسند اقتدار پر لانے اور پھر ان دونوں کے ذریعے اقتدار کو بنی امیہ کی جانب منتقل کرنے کی ساری کارروائی کے پس پشت اسی خاندان بنی اُمیہ کی دسیسہ کاریوں کا دخل نہیں تھا کیا سیدنا علیؑ ابن طالبؑ کو خلافت

سے محروم کرنے میں عمر ابن خطاب نے جو کردار ادا کیا اس کے پس پردہ بنی امیہ کی شہ نہیں تھی۔

اصل مجرم

اس مکر و فریب کی سیاست اور اس بد دیانتی اور بے ایمانی کی حکمت عملی کو اختیار کرنے میں معاویہ ہی تھے تو سبقت نہیں کی اس کا اصل سہرا تو ان خلفاء ثلاثہ کے سر بندھتا ہے جنہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے حق کو حقدار تک پہنچنے نہ دیا۔

عقل و خرد سے بے بہرہ لوگ ایک دلیل کو شرعاً پیش کیا کرتے ہیں اور اسے دور کی کوڑی سمجھ کر اس کا عموماً چرچا کرتے ہیں کہ صاحب اگر حضورؐ کے بعد حضرت علیؑ کو خلافت مل جاتی تو لوگ کیا کہتے کہ اپنے داماد کو حکومت کی مسند پر بٹھا کر چلے گئے اور اس طرح حضورؐ کی ذات پر خویش پروری اور اقربا نوازی کا الزام لگ جاتا۔

کوئی ان احمقوں سے پوچھے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے خلیفہ بننے سے کیا حضورؐ اس الزام سے بچ جاتے ہیں الٹا اس سے تو حضورؐ کی ذات پر بھی حرف آتا ہے اور خود ان خلیفوں کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ ان دونوں نے اپنی لڑکیاں حضورؐ کے عقد میں دی ہی اس لیے تھیں کہ آپؐ کے بعد آپؐ کی چھوڑی ہوئی گدی پر براجمان ہو سکیں یہ گویا شادی بیاہ کا قصہ نہیں تھا۔

بلکہ عائشہ اور حفصہ کی شکل میں حضورؐ کو سیاسی رشوت پیش کی گئی تھی (والعیاذ باللہ) اور تیسرا خلیفہ بھی تو آپ کے قول کے مطابق داماد تھا بلکہ ڈبل داماد تھا

عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ سسرے مسند خلافت پر بیٹھیں تو یہ خویش پروری نہیں ہے تیسرا خلیفہ بھی دامادی کے اعزاز کے ساتھ اس مسند پر قبضہ کرے تب بھی یہ اقربا نوازی نہیں ہے صرف سیدنا علی علیہ السلام کے خلیفہ بننے سے یہ الزام حضورؐ پر عائد ہوتا ہے۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است اسی بات کو گھما پھیر کر خلیفہ دوم نے ایک اور پیرایہ میں بیان کیا تھا انہوں نے کہا تھا ذرا تیور ملاحظہ ہوں۔

کرھنا ان تجتمع النبوۃ والخلافۃ لھذا البیت" ہم نے یہ بات گوارا نہیں کی اور ہمیں یہ پسند نہیں تھا کہ نبوت اور خلافت ایک ہی گھرانہ میں یعنی بنو ہاشم مرجمع ہو جائے۔

ایک اور موقعہ پر یا ایک اور روایت میں عمر ابن خطاب نے اپنے جذبات بغض و عناد کا اظہار ان الفاظ میں کیا کرھت قریش ان تجتمع لکم النبوۃ والخلافہ فتجعفو۔ الناس جحنا فنظرت لا نفسھا فاختارت ووفقت فاصابت۔ (قریش کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ نبوت اور خلافت دونوں تمہارے یعنی بنو ہاشم کے گھر میں آجاتی اور تم لوگوں کو ستانے اور تنگ کرنے لگتے اس لیے قریش نے اپنے لیے غور و فکر کے بعد دوسری راہ پسند کی اور صحیح فیصلہ کیا" عمر ابن خطاب کی

یہ گفتگو عبداللہ ابن عباسؓ سے ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "جہاں تک قریش کی پسند ناپسند کا تعلق ہے تو ان کو تو نزول وحی کا سلسلہ بھی ناگوار گذرا تھا۔ قرآن مقدس نے اس کی گواہی دی ہے کہ ذلک بانہم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالہم ۔ (انہیں تو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ وحی خداوندی کا نزول ہو اور اسی لئے ان کے سارے اعمال رائیگاں ہوئے۔

اور پھر قریش کی پسند و ناپسند کا قصہ بھی خوب ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا قرآن مقدس تو کہتا ہے "وربک یفعل ما یشاء و یختار ما کان لہم الخیرۃ" (تیرا پروردگار جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند فرما لیتا ہے۔ ان لوگوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔)

اللہ تعالٰے نے قبیلۂ قریش سے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جس اعزاز کے لیے منتخب فرمایا کیا وہ قریش مکہ کی مرضی کا انتخاب تھا اس لئے آپ کا یہ کہنا کہ قریش کا فیصلہ صحیح ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتا اس کا فیصلہ تب صحیح ہوتا کہ وہ اسی گھرانہ پر نظر انتخاب ڈالتا جسے اللہ تعالٰے نے منتخب فرمایا تھا۔"

اس پر عمر ابن خطاب خلصے بدمزہ ہو گئے ان حضرت کی خود پسندی کا یہ عالم تھا کہ اپنی رائے کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہ تھے اور تنک مزاجی کا یہ حال تھا کہ بات بات پہ لوگوں کو کاٹنے کو دوڑتے تھے۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

مجھے اس عورت کا تبصرہ نہیں بھولتا جسے خلیفۂ دوم نے شادی کا پیغام بھیجا تھا اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس عورت سے ان کی سفارش کی تھی اور اس نے کہا تھا۔ انہ خشن العیش شدید علی النساء ولا حاجۃ فی ذیلہ۔ اس کی زندگی میں ترش روی اور تنگ مزاجی اور خشونت کے سوا رکھا ہی ہے نہ اور اسی بناء پر عورتوں کے ساتھ اس کا سلوک انتہائی کرخت ہے۔

مدائنی کا کہنا ہے کہ ان صاحب نے ام ابان نامی ایک عورت سے بھی رشتۂ ازدواج کی سلسلہ جنبانی کی تھی اس پر اس نے یہ کہہ کر اس رشتہ کو مسترد کر دیا۔ "یغلق بابہ و یمنع خیرہ و یدخل عابسا و یخرج عابسا" مجھے یہ شخص سخت ناپسند ہے۔ دروازہ بند کئے رکھتا ہے (کہ کہیں کوئی مہمان نہ آجائے) خیر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے گھر میں آتا ہے تو تیوری چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ (طبری ج ۳ ص ۲۷)

یہ ام ابان معاویہؓ کی حقیقی خالہ ہے یعنی عتبہؓ بن ربیعہؓ کی بیٹی اور ہندہؓ کی سگی بہن اہل بیت کے دشمنوں کی دیانت طبع کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس قسم کے بدمزاج انسان کے بارے میں یہ افواہ اڑائی گئی اور اس جھوٹ کو اتنا فروغ دیا گیا کہ سیدنا علی علیہ السلام کی دختر اور حضرت سیدۃ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی چھوٹی صاحب زادی حضرت اُم کلثومؑ آٹھ برس کی عمر میں خلیفہ دوم کے عقد میں آئی تھیں اور یہ شادی حضرت علیؑ کی مرضی

سے ٹے پائی تھی عیاذاً باللہ۔

ابوہریرہ اور اسی قماش کے دوسرے جھوٹے راویوں کی تمام من گھڑت روایتیں ایک طرف اور خانوادۂ نبوتؐ پر یہ رکیک اتہام و افترا ایک طرف طبرانی اصابہ اور الاستیعاب میں اس سراسر غلط واقعہ کی جو رپورٹنگ کی گئی ہے وہ اتنی شرمناک ہے کہ کوئی شریف انسان کسی شریف خاندان کی بہو بیٹیوں کے متعلق اس کا تصور تک نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ خانوادۂ نبوتؐ ہو۔ واقعہ کی مختصر روداد حسب ذیل ہے۔

"عمر ابن خطاب نے سیدنا علی علیہ السلام سے ام کلثومؑ کا رشتہ مانگا حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ تو ابھی چھوٹی بچی ہے۔ عمر نے اصرار کیا اور کہا کہ اسے میرے عقد میں دے دو جتنا میں اس کا خیال رکھوں گا دوسرا کوئی نہیں رکھ سکے گا اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اچھا میں اسے تمہارے پاس بھیجوں گا اگر تم نے اسے پسند کر لیا تو میں اس کی شادی تم سے کر دوں گا چنانچہ حضرت علیؑ نے ایک چادر دے کر حضرت ام کلثومؑ کو عمر ابن خطاب کے پاس روانہ کیا اور بچی سے کہا کہ عمر سے جا کر کہنا کہ یہ ہے وہ چادر جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا ام کلثومؑ نے ایسا ہی کیا اس پر عمر ابن خطاب نے ام کلثومؑ سے کہا کہ اپنے باپؑ سے کہنا کہ یہ چادر مجھے پسند ہے اللہ تمہیں خوش رکھے اس کے بعد عمر ابن خطاب نے اس بچی کی پنڈلی سے کپڑا ہٹا کر اس پر اپنا ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا اس پر ام کلثومؑ بولیں یہ کیا کر رہے ہو اگر تم امیرالمومنین نہ ہوتے تو میں تمہاری ناک توڑ دیتی۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

ا‌ے جس طرح عثمان بن عفان کو تاریخ مسخ کر کے حضورؐ کی دو بیٹیوں کا شوہر قرار دیا گیا اور اس بات کو اس درجہ ہوا دی گئی اور اس جھوٹ کا اتنا چرچا کیا گیا کہ لوگوں نے اسے سچ سمجھنا شروع کر دیا بعینہٖ اسی انداز میں سیدنا علیؑ کی دختر سیدہ ام کلثوم کے عمر ابن خطاب کے حبالۂ عقد میں آنے کی خبر گھڑی گئی اور اسے مسلسل پھیلایا جاتا رہا حتی کہ ہمارے اس دور میں بھی بعض بدنہاد مولویوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں جن میں طبری، اصابہ، اسد الغابہ اور الاستیعاب کے حوالہ سے اس نکاح کو ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی لیکن پوری روایت درج کرنے کا ان لوگوں کو بھی حوصلہ نہیں ہوا کہ اس سے خلیفۂ دوم کے اس شرمناک کردار کی قلعی کھلتی تھی جو انہوں نے ایک معصوم بچی کے ساتھ روا رکھا۔ حالانکہ محولہ بالا سب کتابوں میں یہ واقعہ اسی شرمناک تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

گوئبلز ہٹلر کے وزیر اطلاعات نے کہا تھا کہ جھوٹ اس کثرت اور تسلسل سے بولو کہ جھوٹ پر سچ کا گمان ہونے لگے اور اس پر چودہ سو برس سے ہمارے خود فروش فقیہوں اور مولویوں نے عمل کر کے ایک مثال قائم کر دی۔

سنیت نے دماغ اس درجہ سُن کر دیئے ہیں کہ ہر سُنی سنائی بات پر بلاتامل آمنّا وصدقنا کہتے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع" انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات کو بیان کرنے لگے"۔

ہدایت عقل اور کامن سنس سے محروم لوگ تاریخ اسلامی کے انہی شرمناک واقعات جیسے اپنے عقائد کی دنیا آباد کئے ہوئے ہیں اور نہیں سوچتے کہ وہ کس سراب اور کس فریب نظر کا شکار ہیں۔

پھر وہؓ اپنے والد کے پاس آئیں اور انہیں ساری بات سنائی اور کہاؓ آپؑ نے مجھے ایک بدکردار بڈھے کے پاس بھیج دیا'' یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ ''بیٹی وہ تمہارا شوہر ہے'' اس کے بعد عمر مہاجرین کی ایک مجلس میں گئے جو روضہ رنبوی میں تھی اور جس میں بڑے بوڑھے مہاجر شریک ہوتے تھے وہاں بیٹھ کر عمر نے کہا کہ آج تو میری شب زفاف ہے لوگوں نے پوچھا کس سے! عمر نے کہا علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بیٹی ام کلثومؓ سے میری شادی ہوگئی ہے۔ اور میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے کہ ہر رشتہ ناطہ اور تعلق قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا بجز میرے رشتہ ناتے اور تعلق کے میرا رشتہ اور تعلق تو پہلے سے قائم تھا اب دامادی کا ناتہ بھی طے پا گیا ہے''۔ اور یہ عمر ابن خطاب جسے سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کا داماد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے اس کا طرزِ عمل سیدنا علیؑ کے ساتھ اس درجہ معاندانہ تھا کہ وہ ان لوگوں کے رشتہ داروں کو جو حضرت علیؑ کی تیغ خارا شگاف سے حالت کفر میں قتل ہوئے تھے حضرت علیؑ کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور ان کے جذبات میں حضرت امامؑ کے خلاف زہر گھولنا اس کا دل پسند مشغلہ تھا جیسا کہ سعید بن العاص کے معاملہ میں اس کا اظہار ہوا۔

سعیدؓ بن العاص کا باپ جنگِ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا ایک مرتبہ وہ عثمان بن عفان کے ساتھ عمر ابن خطاب کی مجلس میں موجود تھے اور عمر ابن خطاب نے دور حضرت علیؑ کو بیٹھا دیکھ کر از خود سعیدؓ بن العاص کے والد کے قتل کا قصہ چھیڑ دیا اور کہنے لگے۔

تمہارا خیال ہے کہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ یہ تو علیؑ تھے جنہوں نے اِسے خاک و خون میں تڑپایا تھا۔ سیدنا علی علیہ السلام نے خلیفۂ دوم کی یہ بات سنی تو فرمایا۔

"کفر و اسلام کی کشمکش کے دوران جو ہوا سو ہوا اب کیوں گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو اور لوگوں میں میرے خلاف پراپیگنڈہ کر کے ان کے جذبات میرے خلاف اشتعال پیدا کر رہے ہو" اس پر عمر ابن خطاب کو سانپ سونگھ گیا لیکن سعید بن العاص نے یہ کہہ کر اس تلخ بحث کو ختم کر دیا۔

"اما انہ ما کان یسرنی ان یکون قاتل ابی غیر ابن عمہ علی ابن ابی طالب" (بہر حال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے باپ کا قاتل میرے باپ کے ابن عم علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سوا اور کوئی نہیں۔

"اندھے کو اندھیرے میں بڑی دُور کی سوجھی" کے مصداق جھنگ کے ایک بزرجمہر نے ایک عدد کتاب "رحماء بینہم" تالیف کی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت علیؑ سے ابوبکر و عمر اور بعض دوسرے بڑے صحابہ کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے کیا تعلقات کی خوشگواری اسی کا نام ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کو رسوا کرے اور اس کے درپے آزار ہو اور وہ بھی اس بھونڈے طریقے سے کہ خود صاحب واقعہ اس پر شرما جائے۔

بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ خاندان نبوتؐ پر جو افتاد پڑی اور اہل بیتؑ اطہار کو جن گوناگوں حوادث و مصائب سے دوچار ہونا پڑا ان تمام کی اصل ذمہ داری شیخین

پر بالخصوص خلیفۂ دوم پر عائد ہوتی ہے انہوں نے ہی خاندانِ نبوت کے دشمنوں کو سر چڑھایا ان کے لیے حکومت تک رسائی کی راہ ہموار کی ابوسفیانؓ کے بیٹوں کو انہوں نے یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ شام کے اہم، نہایت زرخیز خودکفیل اور سیاسی اور فوجی اعتبار سے انتہائی حساس علاقہ پر اپنا علیحدہ شخصی اقتدار قائم کریں۔ معاویہؓ نے جو فصل کاٹی اسے خلیفۂ دوم نے بڑی چابک دستی سے خود اپنے ہاتھوں بویا تھا ایک نے پودا لگایا دوسرے نے اس کا پھل کھایا اور خاندانِ نبوت کو برباد کر دیا ابوبکر و عمر کی سحر دہ چالوں اور خفیہ تدبیروں کے ذریعے جب قرعۂ خلافت عثمان بن عفان کے نام نکلا تو ابوسفیانؓ کے بارے میں تاریخ و سیر کی کتابیں شہادت دیتی ہیں کہ وہ اس وقت اندھا ہو چکا تھا۔ تاہم وہ ایک شخص کو جو یقیناً معاویہؓ ہوگا یا بنی اُمیّہ کے خاندان کا کوئی دوسرا بے غیرت فرد اسے ساتھ لے کر سید الشہدا حضرتؓ حمزہ کی قبرِ اقدس پر گیا اسے ٹھوکر ماری اور کہا۔

جو بات ہمارے تمہارے درمیان وجہِ نزاع تھی آج اسپر ہمیں کلی تصرف حاصل ہو گیا ہے۔

حضرت سید الشہداؓ کے قبرِ اطہر کو ٹھوکر مارنے کا ثواب بھی یقیناً خلیفۂ دوم کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا کہ انہیں کی ملی بھگت سے اسلام کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

اسلام کی نام نہاد خلافت راشدہ نے جس کے سرخیل ابوبکر جس کے سرغنہ عمر ابن خطاب اور جس کا مرکزی کردار عثمان بن عفان تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا نام تو اس میں محض برائے وزن بیت ہے، اپنے دورِ حکومت میں

جو روایات قائم کیں جس حکمت عملی کو اپنایا اور جس نہج پر اپنے فکر و عمل کی اساس رکھی اسے دو لفظوں میں محض "دنیا داری کی سیاست" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سیاست کا وہ رائج الوقت تصور و مفہوم جس کا چلن آج کے روزمرہ اور سیاست میں عام ہے یعنی مطلب برآری کے لیے دروغ بافی، کذب بیانی شاطرانہ چالیں حریفوں کو زیر کرنے اور مخالفوں کو کچلنے اور دبانے کے نت نئے ہتھکنڈے، دھونس دھاندلی، دھوکہ، دباؤ مکر و فریب اسی خلافت راشدہ کی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جن سے کوئی مورخ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

کیا تاریخ آج تک اس نافرمانی اور بدعہدی کا کوئی جواز پیش کر سکتی ہے کہ جیش اسامہؓ جس کی وضع و ترتیب خود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سرانجام دی تھی اس کے دو ادنی سپاہیوں کو یہ اختیار کہاں سے مل گیا کہ جن میں سے ایک خلیفہ بن بیٹھا اور دوسرا خلیفہ گر کیا حضرت اسامہؓ نے ان کو فارغ کر دیا تھا۔ کیا حضورؐ نے کوئی ایسا اشارہ دیا تھا کہ اگر ان کا وصال ہو جائے تو ان دونوں کو جیش اسامہ میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا جائے اگر یہ دونوں پیغمبرؐ کے سچے وفادار تھے تو ان کی وفاداری کا تقاضا کیا تھا اس نافرمانی اور بدعہدی کا صاف اور صریح مطلب یہی نکلتا ہے کہ ان لوگوں کی ظاہری وفاداریاں صرف حضورؐ کی زندگی تک حضورؐ کے ساتھ تھیں اور ادھر حضورؐ کی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر انہوں نے حکم عدولی اور سرتابی کا آغاز کر دیا اور من مانی کرنے لگے۔

ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کو وصال سے قبل ہی اس امر کی اطلاع

مل گئی تھی کہ اب حضورؐ کا وقت آخر قریب ہے اور اس اطلاع پر جس نے آنسو بہائے تھے وہ ان دونوں شخصیتوں ہی میں سے ایک صاحب تھے اور دوسری جانب حضورؐ کے ترتیب دیئے ہوئے لشکر میں سے ان دونوں نے حضورؐ کی خواہش اور مرضی کے علی الرغم حضورؐ کے احکام کی پابندی سے خود کو بری الذمہ قرار دے لیا آخر کس بنیاد پر، کونسی دلیل تھی ان کے پاس اور کیا وجہ جواز تھی ان لوگوں کے پاس کہ اب وہ لشکر اسامہؓ میں شرکت کے پابند نہ رہے تعجب ہے کہ جن لوگوں کو حضورؐ نے جیش اسامہ میں کوئی معمولی عہدہ بھی نہیں دیا اور جو عام سپاہیوں کے زمرہ میں شامل تھے خود ہی حکم چلانے لگے اور حاکم وقت بن بیٹھے۔

پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صریحاً حکم عدولی پر ان کے خلاف ضابطہ کی کاروائی ہونا چاہیئے تھی لیکن انہیں خلافت کی مسند پر فائز کر دیا گیا اور تاریخ کی زبان اس موڑ سے سوال پر بھی گنگ رہی صرف اس ایک واقعہ کو ان لوگوں کی قرار واقعی حیثیت سے متعارف ہونے کیلئے معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی وفاداریاں کس قدر بودی کھوکھلی اور بے بنیاد تھیں لوگ معاویہؒ کا رونا روتے ہیں اور یزیدؒ کی بد کرداریوں کا ماتم کرتے ہیں لیکن خلافت راشدہ کے ان دو ستونوں پر بھی تو ایک نگاہ ڈالیں کہ "ستون آپ ہیں چشم بد دور دین کے" انہوں نے کیا گل کھلائے اور کیسی کیسی دھاندلیاں روا رکھیں۔

کیا دنیا کے کسی مہذب معاشرہ میں، کسی ملک کی سیاسی وضع میں،

کسی قوم کی اخلاقی اقدار میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ فوج کے دو ادنیٰ اور معمولی سپاہی اٹھیں اور اٹھ کر حکومت و اقتدار پر قبضہ جما لیں جبکہ اس قوم کے بانی، اس معاشرہ کے مؤسس اور اس ملک کے دینی اور سیاسی پیشوا کی کوئی اخلاقی تائید بھی ان دونوں کو حاصل نہ ہو۔

اردو زبان کی مشہور کہاوت ہے "مایا تیرے تین نام پرسا پرسو پرس رام" اس کہاوت کے پس منظر میں عرب کی اس خاتون کے ریمارکس پڑھیں جو اس نے خلیفۂ دوم کے منہ پر دیئے تھے اس نے کہا تھا "یا عمر عہدنا بک وانت یقال لک عمیر ثم بالبشت ان قالوا لک عمر ثم لم تلبث ان اصبحت امیر المومنین فاتق اللہ فی الرعیۃ واعلم انہ من خاف الوعید قرب علیہ البعید ومن خاف الموت خشی الفوت۔"

"اے عمر! جب سے ہمارا واسطہ تم سے پڑا ہے اس وقت سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ پہلے لوگ تمہیں عمر کی بجائے عمیر یعنی ننھو عمر کہہ کر پکارتے تھے پھر ایک وقت آیا (اور وہ غالباً ابوبکر کی خلافت کا دور تھا) لوگ تمہیں عمر کہنے لگے اور اب یہ نوبت آ گئی کہ تم امیر المومنین عمر کہلانے لگے۔ اپنے اس پس منظر کے ساتھ اب رعایا کے باب میں خدا کے خوف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ نہ دینا اور یہ بات یاد رکھنا کہ جو شخص عذابِ خداوندی سے ڈرتا رہا وہی بیگانوں سے حسن سلوک کر سکتا ہے اور جسے موت کا دھڑکا لگا رہا وہ لوگوں کے حقوق کے ضیاع کے اندیشہ میں مبتلا رہا۔"

یہ شخص جسے لوگ عمر کی بجائے عمیر یعنی اسم تصغیر کے ساتھ پکارتے تھے

جس کی اسلامی معاشرہ میں کوئی وقعت نہیں تھی جس کے بارے میں عورتیں بھی جانتی تھیں کہ ایک چھوٹا آدمی اونچی مسند پر براجمان ہوگیا ہے اور کبھی پیغمبرؐ کے خاندان کو آنکھیں دکھاتا ہے کبھی اس کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اس کی رائے کو پیغمبرؐ کی رائے پر خود خدا نے کئی مرتبہ فوقیت دی اور جھوٹ گھڑنے والوں نے کیا کیا جھوٹ نہ گھڑا تاکہ عمر سے عمر کہلانے والا شخص ایک بلند و بالا شخصیت نظر آئے اور تاریخ کا مذاق اڑایا جاتا رہے لیکن تاریخ نے کب کسی کو معاف کیا ہے کہ اس تماشے کے لوگوں کو معاف کرتی آج دنیا کی آبادی کا بہت بڑا حصہ اور انسانوں کی ایک کثیر تعداد اس امر سے خوب واقف ہے کہ یہ خودساختہ امیرالمومنین ایک غاصب، ظالم بدخواہ اور ستم گر انسان تھا جس نے محسن کشی کی روایت قائم کی اور اس کے ظلم و ستم کا نشانہ سب سے پہلے اس کے پیغمبرؐ کا خاندان بنا اور جوں جوں علم و تہذیب و آگہی کی روشنی پھیلتی چلی جائے گی بہت سے بھیانک چہرے بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے اور تب دنیا کو اندازہ ہوگا کہ وہ جن بتوں کو خدا سمجھ کر ان کی پوجا کر رہے تھے وہ مٹی کے خودتراشیدہ بت تھے جو علم و معرفت کی ایک ہی ٹھوکر سے ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گئے ہیں۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

کتب حدیث و سیر میں ایسی روایات بہ کثرت موجود ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دین اسلام کے مستقبل کے بارے میں سب سے

زیادہ تشویش بنی اُمیّہ کی جانب سے تھی۔ نعیم بن حماد نے اپنی کتاب الفتن میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ لکل دین آفتہ و آفتہ ھذا الدین بنو امیہ۔ ہر دین کے لیے تباہی کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اسلام کی تباہی و بربادی کا سبب بنوامیہ ہوں گے اس سلسلہ کی دوسری بہت سی روایتوں کو جو مستدرک حاکم اور دیگر کتب حدیث میں متعدد صحابہ سے مروی ہیں ترک کر کے صرف ترمذی کی اس روایت کو لیتے ہیں جس میں عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ

مات النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم وھو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف و بنی حنیفہ و بنی امیۃ۔ " اپنی وفات کے آخری لمحہ تک حضورؐ کو جن قبیلوں سے نفرت تھی وہ یہ تین تھے:

بنو ثقیف

بنو حنیفہ اور

بنو اُمیّہ

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضورؐ کا ان قبائل سے نفرت کرنا اس بنیاد پر تھا کہ بنو ثقیف میں حجاج یوسف ثقفی جیسا ظالم پیدا ہوا۔ بنو حنیفہ میں مسیلمۂ کذاب پیدا ہوا اور بنو اُمیّہ عبیداللہ ابن زیاد ہوا علماء کی اس تشریح پر تنقید کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی مشہور کتاب اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے "عجیب است ازیں قائل کہ یزید را نہ گفت کہ اسیر عبید اللہ

بن زیادؓ بود وہر چہ کرد بہ امر وی و رضائے وی کرد و باقی بنو امیہ ہم از کلاہائے خود تقصیر تر کردہ اند یزیدؓ و عبیدؓ اللہ را چہ گویند (ج ۲ باب مناقب قریش و ذکر القبائل) "یعنی بنو امیہ کے ذکر میں عبید اللہ بن زیادؓ کا ذکر تو کیا لیکن تعجب ہے کہ یزید جس نے عبید اللہ بن زیاد کو مقرر کیا اس کا ذکر یہ لوگ گول کر گئے جبکہ عبیدؓ اللہ بن زیادؓ نے جو کچھ کیا وہ یزیدؓ کے حکم اور اس کی رضامندی ہی سے کیا۔ اور پھر بنو امیہ کے دوسرے لوگوں نے کونسی کمی کی تھی کہ صرف یزیدؓ اور عبیدؓ اللہ بن زیادؓ ہی کو مورد الزام قرار دیا جائے"

تاریخ کے ادنیٰ طالب علم سے ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ حضورؐ کے اس ناپسندیدہ قبیلہ کو اُمت پر مسلط کرنے والا کون تھا۔ وہ پہلا خلیفہ جس نے یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق کا گورنر مقرر کیا یا وہ دوسرا خلیفہ جس نے یزیدؓ کے مرنے کے بعد اس کے چھوٹے بھیا معاویہؓ کو پورے شام کی حکمرانی سونپ دی اور جس نے بنی اُمیہ کے ایک اور شخص عثمان بن عفانؓ کی خلافت کی راہ ہموار کی اور جس کی ریشہ دوانیوں سے بنو امیہ کو اسلام کے نظام حکومت پر قبضہ جمانے کا موقعہ ملا۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پسند و ناپسند کو ٹھکرانے والے اور حضورؐ کی خواہشات کو پامال کرنے والے ہی اگر حضورؐ کے جانشین ہیں تو کہاں کا اسلام اور کہاں کی مسلمانی

مولائے کائنات

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" "جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ بھی اس کا مولیٰ ہے" کے معنوں میں آج جو تاویل و تحریف کی جا رہی ہے۔ کیا یہ "تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل" کہنے والے کی مرضی کے برعکس بات کا مفہوم مراد لینا" کی بدترین صورت نہیں ہے۔

مسلمانوں کے معاشرہ میں ایسا کون تھا جو حضورؐ کو اپنا دوست رکھنے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا اس لیے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے لیے دوست داری کے جذبات کی اپیل کرنا ایک لایعنی سی بات ہے حضورؐ کا منشا و مفہوم واضح تھا وہ اس اعلان کے ذریعے سیدنا علیؑ کی خلافت و ولایت کا اعلان کر رہے تھے لیکن بنوامیہ اور اس کے حلیف قبائل کے زبردست دباؤ اور ابوبکر و عمر کے ساتھ ان کی ملی بھگت اور دیگر منافقین کی سازباز سے حضورؐ کے واضح فرمان کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ضغائن فی صدور الاقوام لا یبدونہا لک الا من بعدی

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۸ و ریاض النضرہ ص ۲۱۰)

بہت سے قبیلوں کے دلوں میں کینہ اور کپٹ چھپا ہوا ہے وہ تمہارے معاملہ میں اس بغض و عداوت کا اظہار میرے جانے کے بعد کریں گے۔ چنانچہ

حضورؐ کے وصال کے بعد یہ بغض و کینہ اپنی عملی شکل میں نمودار ہوا اور اس میں ہر ایک نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصہ لیا لیکن یہ جاننے کے لیے بہت زیادہ فہم و دانش کی ضرورت نہیں ہے کہ اس بغض و حسد کے اظہار میں خاندان بنی اُمیہؓ کا حصہ سب سے زیادہ تھا اور ابوبکر و عمر بنی اُمیہؓ اور اس کے حلیف قبیلوں کے آلہٗ کار تھے۔

بنی اُمیّہ کی اسلام دشمنی

جہاں تک بنی اُمیہ کی اسلام دشمنی اور خانوادۂ بنی ہاشم کیساتھ ان کی در پردہ اور علانیہ عداوت و مخالفت کا تعلق ہے تو یہ بات حضورؐ کے علم و اطلاع میں تھی اور حضورؐ کو اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ یہ قبیلہ گو بظاہر مسلمان ہو چکا ہے مگر ان کے دل نہ اسلام کی طرف سے صاف ہیں نہ مسلمانوں کے لیے ان کے اندر خیر خواہی کا جذبہ ہے نہ حضورؐ کے اہل بیتؑ سے ان کی دشمنی میں کچھ کمی آئی ہے اور اس میں خاندان بنی اُمیہؓ کے کسی فرد کی تخصیص نہیں ہے اور کوئی استثناء بھی نہیں ہے جس عثمان بن عفان کی حضورؐ کے ساتھ قرابت کا اتنا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے حضورؐ کے نزدیک ان کی کیا اوقات تھی اس کا اندازہ جبیر ابن مطعم کی اس روایت سے ہوتا ہے جسے بیشتر محدثین نے جن میں بخاری، ابوداؤد، نسائی اور شافعی شامل ہیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

عن جبیر بن مطعم قال مشیتا انا وعثمان بن عفان الی النبی

صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فقلنا اعطیت بنی المطلب من خمس خیبر و ترکتنا و نحن بمنزلۃ واحدۃ منک فقال انما بنو ہاشم و بنو المطلب شیئ واحد قال جبیر و لم یقسم النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم لبنی عبد شمس و بنی نوفل شیئا۔

(رواہ البخاری)

جبیر بن مطعم کہتے ہیں۔ میں اور عثمان بن عفان حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے بنی المطلب کو تو خمس خیبر میں سے حصہ دیا ہے اور ہمیں یعنی بنی امیہ اور بنی نوفل کو کچھ نہیں دیا حالانکہ قرابت کے اعتبار سے ہم سب ایک ہی دادا کی اولاد ہونے کے ناطے سے آپ کے لیے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں۔

جبیر جو بنی نوفل سے تعلق رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضور نے ہماری اپیل مسترد فرما دی اور مجھے اور عثمان کو یعنی بنی نوفل اور بنی عبد شمس کو خمس خیبر سے کچھ حصہ نہ دیا۔" (بخاری)

عبد مناف کے چار لڑکے تھے۔ ہاشم۔ مطلب۔ نوفل اور عبد شمس۔ جبیر اور عثمان بن عفان بالترتیب نوفل اور عبد شمس کی اولاد میں سے تھے اور عبد شمس بنی امیہ کا مورث اعلیٰ ہے۔

انہی جبیر بن مطعم کی ایک اور روایت جو زیادہ واضح ہے حسب ذیل ہے:

عن جبیر بن مطعم قال لما قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہم ذوی القربیٰ بین بنی ہاشم و بنی المطلب اتیتہ انا وعثمان بن عفان فقلنا یا رسول اللہ! ہؤلاء اخواننا من بنی ہاشم لا ننکر فضلھم لمکانک والذی وضعک اللہ منھم ارأیت اخواننا من بنی المطلب اعطیتھم وترکتنا وانما قرابتنا وقرابتھم واحدۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما بنو ہاشم و بنو المطلب شیئ واحد ھکذا وشبک بین اصابعہ - (رواہ الشافعی)

وفی روایۃ ابی داؤد والنسائی نحوہ وفیہ انا وبنو المطلب لا نفترق فی جاھلیۃ ولا اسلام وانما نحن وھم شیئ واحد وشبک بین اصابعہ -

جبیر بن مطعم کہتے ہیں جب حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرابت داروں کا مخصوص حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے درمیان تقسیم فرمایا تو میں اور عثمان بن عفان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جہاں تک ہمارے بھائیوں بنی ہاشم کے خاندان والوں کا تعلق ہے تو ہمیں ان کی عظمت وفضیلت سے انکار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس خاندان میں آپ کو مرتبۂ عظیم سے نوازا ہے لیکن بنی مطلب کے بارے میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ آپ نے انہیں بھی سہم ذوی القربیٰ (خانوادۂ رسالت کا مخصوص حصہ) سے عطا فرمایا ہے لیکن آپ نے ہمیں نظر انداز فرما دیا حالانکہ

ہماری اور ان کی آپ کے ساتھ رشتہ داری میں کوئی فرق نہیں ہے اس پر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"بنو ہاشم اور بنو مطلب تو ایک ہی چیز ہے اور آپؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم یک دگر پیوست کرکے اس قرابت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔"

ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"میں اور بنی مطلب نہ جاہلیت میں الگ تھے نہ اسلام میں الگ ہوئے ہیں ہم اور وہ تو ایک ہی شے ہیں اور پھر حضورؐ نے اپنے دستہائے مبارک کی انگلیوں کو آپس میں پیوست فرما کر بتایا۔"

محدثین نے ایک ہی دادا کی اولاد میں اس فرق کو روا رکھنے کی جو توجیہہ پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوشل بائیکاٹ اور مقاطعہ کیا تو بنو ہاشم اور بنو مطلب نے حضورؐ کا ہاتھ دیا جبکہ بنی نوفل اور بنی اُمیہ اس بائیکاٹ میں شریک ہوئے۔

شعب ابی طالبؑ میں سوشل بائیکاٹ کے وہ تین کٹھن سال جو حضورؐ اور آپؐ کے رشتہ داروں نے گذارے اس مشکل وقت میں نہ ابوبکر نے حضورؐ کا ساتھ دیا نہ عمر نے نہ عثمان نے صرف حضورؐ کے خاندان کے افراد اس پُر آشوب دور میں حضورؐ کے شریک حال رہے اور بنی مطلب نے بھی مصیبت کے اس وقت میں حضورؐ کا ساتھ دیا تھا۔

حضورؐ نے اس رفاقت کا اس درجہ پاس کیا کہ ابو طالبؑ کو دوسرے

اسی درجہ کے قرابت داروں کے معاملہ میں خصوصی شرف و امتیاز کا مستحق قرار دیا لیکن آج اہل سنت کے علماء دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ جو اس سوشل بائیکاٹ کا اصل ہدف بنے وہ تو جہنم میں جائیں گے اور افضل البشر بعد الانبیاء پہلے ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں اور پھر عثمان ہیں ۔ اسے کہتے ہیں "مان نہ مان میں تیرا مہمان" انگریزی کا ایک عام محاورہ ہے ۔

A FRIEND IN NEED IS A FRIEND INDEED.

دوست وہ جو مشکل میں کام آئے ۔

لیکن اہل سنت کا علم الکلام ایک نیا فلسفہ پیش کرتا ہے کہ

"دکھ بھریں بی فاختہ اور انڈے کوے کھائیں"۔

دکھ جھیلیں سیدنا ابو طالبؑ اور اعزاز پائیں ابوبکر جن کو دو راتیں غار میں رہنا پڑا تو یوں پریشان ہو گئے گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے اور پیغمبرؐ کو سختی سے کہنا پڑا کہ "لاتحزن ان اللہ معنا" غم مت کرو کہ اللہ تعالٰے ہمارے ساتھ ہے اور سیدنا ابو طالبؑ تین برس تک شعب ابی طالبؑ میں اپنے بھتیجےؐ کے ہر دکھ میں برابر کے شریک رہے تو انہیں یہ کمینے لوگ اس کا یہ صلہ دیتے ہیں کہ ایک جعلی من گھڑت اور سراسر جھوٹی روایت وضع کر لی گئی کہ خدانخواستہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم بزرگوار حضرت ابو طالبؑ کے بارے میں یہ فرمایا ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔

سب سے کم عذاب ابو طالبؑ کو ہو گا کہ ان کے پیروں میں آگ کی

جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اُن کا دماغ یوں کھولنے لگے گا جیسے چولہے پر ہنڈیا کھولتی ہے۔

وہ پیغمبرؐ جس نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے جنازہ میں شرکت کی ہو اور محض اس کے مسلمان بیٹے کی دل جوئی اور دلداری کی خاطر، وہ اپنے چچاؑ کو اس کی عمر بھر کی وفاؤں کا صلہ یہ دیتا ہے کہ اسے آگ کی جوتیاں پہنا رہا ہے اور نہ اپنے عمزاد اور داماد علیؑ ابن ابی طالبؑ کا اسے لحاظ آتا ہے نہ اپنی اس چچی سیدہؑ فاطمہ بنت اسدؑ کا جس کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"مجھ پر میری اس چچیؑ سے زیادہ احسانات کسی اور کے نہیں ہیں"

احسان فراموشی کی اس سے بڑی مثال بھی اور کوئی ہو سکتی ہے کہ جس چچاؑ نے پالا پوسا، جس نے بچپن میں یتیمی کی حالت میں سرپرست شفقت رکھا جس نے سفر و حضر میں اپنے سے جُدا نہ کیا، جس نے زندگی کی کڑی دھوپ میں سائیہ رحمت بن کر بھتیجے کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھا، جس نے نبوت کے دشوار گذار مراحل میں قدم قدم پر ساتھ دیا اور تن تنہا سارے عرب کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور کار نبوت اور تبلیغ دین میں کسی کو رکاوٹ نہ بننے دیا جو سارے عرب کی آنکھ کا تارا اور حرم کعبہ کے نگران کی حیثیت سے مکہ کا معزز سردار تھا مگر اس بھتیجے کی خاطر اس نے پورے شہر اور سارے قبیلے سے دشمنی مول لی وہ بھتیجا اس محسن غمگسار اور جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے چچاؑ کے بارے میں اس قسم کے کلمات بد کہے پیغمبرؐ کا مقام تو بہت بلند ہے وہ تو تمام احساسات لطیف کا مالک اور لغزش بشری کی ہر آلائش سے مبرا ہوتا ہے

ایک عام شریف انسان بھی ایسی بدلحاظی اور بے مروتی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔
مگر جن لوگوں نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھیں بند ہوتے ہی آپؐ کے اہل خاندان کے ساتھ بے مروتی اور بدسلوکی کا مظاہرہ کیا ہو وہ لوگ البتہ اس قسم کی باتیں گھڑ سکتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ماننے والے بھی بے مروتی کے اس انداز کو گوارہ کر سکتے ہیں کوئی شریف النفس انسان ایسی بے مروتی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس دینِ حق کے علمبردار بن کر تشریف لائے تھے اس میں اخلاق کی پاسداری کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی بلکہ حضورؐ نے تو اسے اپنی بعثت کا مقصد اول قرار دیا اور ارشاد فرمایا۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میری بعثت ہی اس لیے ہوئی کہ میں اخلاق کریمانہ کو حد کمال تک پہنچا دوں پھر کیا اخلاق کا یہی تقاضا تھا کہ حضورؐ کی زبان مبارک سے سیدنا ابوطالبؑ کے لیے کلمۂ خیر کی بجائے ایسا غیر شریفانہ کلمہ صادر ہوتا ابوبکر جس نے ہجرت کے موقعہ پر بھی اونٹنی کی قیمت وصول کر کے دوستی کی لاج رکھی اس کے بارے میں تو سپاس گذاری کا یہ حال ہو کہ حضورؐ اسے "امن الناس علی فی صحبتہ وماله ابوبکر (اپنی سنگت اور اپنے مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا) کہیں اگرچہ یہ حدیث بھی سراسر موضوع ہے لیکن بالغرض اسے درست بھی تسلیم کر لیں۔ تو کیا سیدنا ابوطالبؑ کے احسانات ابوبکر سے بھی کم تھے کہ انہیں جنت کی بشارت دی جا رہی ہے اور انہیں

جنہم میں دھکیلا جا رہا ہے۔

میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ مسلمان قوم کی پوری تاریخ بے مروتی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے اس قوم نے ہمیشہ اپنے محسنوں کیساتھ بے مروتی اور بدلحاظی کا برتاؤ کیا۔

ابوبکر و عمر نے سیدہ فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا کے ساتھ جس سرد مہری اور بے مروتی کا معاملہ کیا وہ تاریخ اسلامی کا ایک شرمناک باب ہے اور یہ اسی کی پھٹکار اس قوم پر پڑی ہے کہ آپ بے مروتی اس قوم کی کتاب زیست کا مستقل عنوان بن گئی ہے۔

مورخین نے اپنی کتب سِیَر میں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے حالات لکھتے ہوئے ایک واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

"صلاح الدین ایوبی ایک معمولی قلعہ دار کا لڑکا تھا نورالدین زنگی نے اس شخص کو معمولی مقام سے اٹھا کر مسند عزت وجاہ پر لا بٹھایا اور اس کا صلہ اس نے اپنے اس محسن کو یہ دیا کہ اسکی زندگی میں اس کو قتل کرنے کی سازش کی وہ تو اس کا باپ آڑے آیا اور اس نے اپنے اس "ہونہار" بیٹے کو سمجھایا کہ بڈھا مرنے والا ہے ہم دونوں نے اس کا نمک کھایا ہے۔ اسے مرنے دو بعد میں جو چاہے کرتے رہنا چنانچہ ادھر نورالدین زنگی کی آنکھیں بند ہوئیں ادھر صلاح الدین ایوبی صاحب نے ان کے جانشین کو زہر دے کر مروا ڈالا۔"

اس سے پہلے ہارون الرشید لعہ نے خاندان برامکہ سے بے مروتی کا جو برتاؤ

کیا تھا وہ ہماری تاریخ ملی کا ایک شاہکار ہے اور وہ کیوں چاہے خود اپنے ہی ملک کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

قائداعظم محمد علی جناح رح اس مملکت کے بانی تھے وہ زیارت میں بستر علالت پر ہیں ان کی حالت مخدوش ہوگئی تو انہوں نے کراچی آنے کا فیصلہ کیا ہوائی اڈے پر جہاز پہنچا تو وزیراعظم لیاقت علی خان ہوائی اڈہ سے غیر حاضر تھے ایک قابل مرمت ایمبولنس ملک کے سب سے بڑے عوامی حاکم کو لینے کے لیے ہوائی اڈے پر بھیجی گئی جو ایک جاں بہ لب مریض کو لے کر روانہ ہوئی تو راستے میں دو گھنٹے تک خراب رہی اور کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

اور یہ لیاقت علی۔ قائداعظم رح کی جوتیوں کے طفیل ہی وزیراعظم بنے تھے ملک میں نہ بیرسٹروں کی کمی تھی نہ تو ابزادوں کی لیکن لیاقت علی اس بڈھے کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے جس نے انہیں تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچایا اور اپنی قائم کی ہوئی مملکت کی تاریخ کا ایک حصہ بنا دیا۔

بعد میں ایک موقعہ پر جب خان عبدالغفار خاں سے مصالحت کے سلسلہ جنبانی ہو رہی تھی تو لیاقت علی نے صلح کے اس ہاتھ کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ ایک قائداعظم سے تو بڑی مشکل سے پیچھا چھوٹا ہے اب ایک دوسرا قائداعظم رح خود پر مسلط کر لوں۔

یوں لگتا ہے جیسے لیاقت علی نے بے مروتی کا یہ سبق خلیفہ اول ابوبکر

سے سیکھا تھا۔

• بنگلہ دیش کا بانی شیخ مجیب الرحمٰن تھا۔ یہ اس قوم کا موسئس اور "بابائے قوم تھا قطع نظر اس طرز عمل کے کہ جو شیخ مجیب نے پاکستان کو دو لخت کرنے میں اپنے شریک کار سیاستدانوں کے ساتھ مل کر اختیار کیا تاہم وہ بنگالی مسلمانوں کا ہیرو تھا لیکن اس کے معتمد ساتھیوں نے اس کا یہ حشر کیا کر اس کا سلسلہ نسل تک منقطع کر دیا اور گھنٹوں اسکی لاش سیڑھیوں پر پڑی سڑتی رہی۔"

ہالنڈ و نیشیا کی آزاد سلطنت کے بانی ڈاکٹر احمد عبدالرحیم سوئیکارنو ڈچ استعمار کے خلاف چالیس برس تک مسلسل جد و جہد کرتے رہے اور آزادی کی منزل کو جا لیا لیکن سوئیکارنو کا حشر کیا ہوا اس کے معتمد اور قابل اعتماد رفیق جنرل عبدالحارث ناسوشیان کی در پردہ سازش سے ایک تیسرے درجہ کا فوجی سوہارتو دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا حکمران بن گیا اور ڈاکٹر سوئیکارنو مرحوم خود اپنے ہی ملک میں اپنی ہی قوم کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو گئے اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی تدفین اس قدر خفیہ رکھی گئی کہ ان کے اعزا و لواحقین کو حکومت سے یہ درخواست کرنی پڑی کہ ان کی قبر کا نشان بتایا جائے۔

جو قوم اپنے پیغمبرؐ کے ساتھ بے مروتی برت سکتی ہے اس سے کسی اور کے بارے میں کیا توقع کی جا سکتی ہے پیغمبرؐ بستر مرگ پر ایک فرمان جاری کرتا ہے یعنی لشکر اسامہؓ کی روانگی کا اور فوری روانگی کا اسے

بھی ٹال دیا گیا پھر وہ ایک اور فرمان جاری کرتا ہے۔ کہ ایک ضروری ہدایت لکھنی ہے اس کے لیے کاغذ قلم لاؤ تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ ہوش میں نہیں ہے۔

شانِ صحابہ — ایک بے معنی لفظ

یہ ہیں وہ جانشینانِ رسولؐ جن کی عظمت کا صدیوں سے ڈنکا بجایا جا رہا ہے۔ اور انہیں یوں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے گویا نعوذ باللہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو پیغمبرؐ کا مشن ہی ناکام ہو جاتا اور اس کی پیغمبری کسی شمار قطار ہی میں نہ ہوتی۔ اب کہا یہ جاتا ہے کہ بھلا ابوبکر و عمر کے اخلاص نیت اور دیانت میں شک و شبہ کا اظہار کیا جا سکتا ہے اور اگر ان کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات کی جائے تو خود ذاتِ پیغمبرؐ پر اس سے حرف آتا ہے کہ اس کے اتنے قریبی ساتھی مشکوک کردار کے حامل تھے اور پیغمبرؐ ان کی قرار واقعی حیثیت اور ان کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکا۔

یہ اعتراض اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا کہ پیغمبر کے ساتھیوں کے مشکوک کردار سے پیغمبرؐ کی ذات پر حرف آتا ہے۔ قرآن مقدس نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کی ہدایت و اصلاح کے لیے بھرپور جد و جہد کی اور ان کی تبلیغی مساعی سے بہت کم لوگ متاثر ہوئے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کہ وہ تقریباً

ساڑھے نوسو برس تک اپنی قوم کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کرتے رہے مگر نتیجہ کیا رہا۔ قرآن کہتا ہے۔ وما آمن معه الا قلیل ۔ بہت کم لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے۔

قرآن مقدس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکثرت تذکرہ فرمایا ہے، اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی فرعون کے مظالم سے نجات دلانے، غلامی کے شکنجے سے آزاد کرانے اور اقوام عالم کی برادری میں اسے باعزت مقام دلانے کیلئے انہوں نے کیسی زوردار جدوجہد کی لیکن جب حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن آزمائش کی گھڑی آئی تو اس قوم نے جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی اور جو ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف رکھتی تھی موسیٰ علیہ السلام کو کیسا ٹکا سا جواب دیا تھا کہ اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔ (موسیٰ تم اور تمہارا پروردگار دونوں جاکر دشمنوں کا مقابلہ کرو ہم تو تمہارے ساتھ اٹھنے والے نہیں ہیں) کہ ؎ پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں پائے بند تیرے

چھٹے پارے میں موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے صحابہ کا مکالمہ مذکور ہے اور ان صحابہ کی احسان فراموشی اور بے وفائی کا تذکرہ بھی موجود ہے اور یہ بات بھی قرآن مقدس کے ریکارڈ پر ہے کہ قوم کی اس بے حسی اور منافقت اور اپنے صحابہ کی اس غدارانہ روش کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں فریاد کی تھی۔ قال رب انی لا املك الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین۔

(ربع ۶ - مائدہ)

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدایا میں تو صرف اپنی جان کا اور اپنے بھائی (ہارونؑ)

کی جان کا نذرانہ پیش کر سکتا ہوں کسی اور کی ذمہ داری نہیں لے سکتا خدایا ہم دونوں بھائیوں کے اور اس بدکردار قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر ہیں۔ الوالعزم پیغمبروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

وہ برسہا برس کی صبر آزما جد وجہد کے بعد بھی اپنے کسی صحابی کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور صرف اپنی ذات کو اور اپنے بھائی ہارونؑ کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔

ہمارے بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مقدس میں جس کثرت کیساتھ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ کسی اور پیغمبر کا اس کثرت سے ذکر نہیں آیا اور اس کی بڑی وجہ دعوت وتبلیغ کی وہ دشواریاں ہیں جن سے ایک ہی طرح کے حالات میں حضور محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واسطہ پڑا دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بہت سی مماثلتیں ہیں۔ اور ان مماثلتوں میں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے مددگار ومعاون کے طور پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی امداد واعانت کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے خدا کے حضور استدعا کی رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا انک کنت بنا بصیرا قال قد اوتیت سؤلک یا موسیٰ۔ (میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے، میرا کام

آسان کر دے میری زبان کی گرہ کشائی فرما تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں اور میرے گھرانہ میں سے مجھے ایک وزیر عطا فرما میرے بھائی ہارونؑ کے ذریعے میرے ہاتھ مضبوط فرما دے اے میرے اس کام میں میرا شریک کار بنا دے تا کہ ہم بکثرت تیری تسبیح کر سکیں اور بہ کثرت تجھے یاد کر سکیں تو تو ہمارے دلوں کی کیفیتوں سے بہ خوبی آگاہ ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست قبول کر لی گئی اور ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا شریک و معاون مقرر کر دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی آغاز سفر نبوت ہی میں بلا طلب کے خصوصی انعام کے طور پر حضرت سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کی رفاقت و اعانت و نصرت سے نوازا گیا۔

دعوت عشیرہ کے موقعہ پر جب تمام عمائد عرب سربراہان قبائل اور جوانان قریش جمع تھے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوت و تبلیغ دین کے سلسلہ میں لوگوں کو اپنی مدد کے لیے پکارا تمام مجمع پر سکوت مرگ طاری ہو گیا۔ اور پوری محفل پر سناٹا چھا گیا اس سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک آواز ابھری انا نصیرک یا رسولؐ اللہ۔ (اے اللہ کے پیغمبر میں آپؐ کا مددگار بنوں گا۔)

یہ چودہ پندرہ برس کے ایک نوخیز اور نوعمر بچے کی آواز تھی جس کے مقدر میں ملاء اعلیٰ سے یہ بات لکھی جا چکی تھی کہ وہ حق کا سچا ہی پیغمبرؐ کا دست راست اور اسکی جد و جہد رسالت کا امین و محافظ اور اسکی مسند امامت کا ولی و وارث بنے گا یہ آوازہ غیبی تھا یہ الہامی آواز تھی اور یہ بلا منت سوال

ایک عطیۂ خداوندی تھا جس سے پیغمبر آخرالزمان کو نوازا گیا اور یوں جس نعمت سے موسیٰؑ کو طلب و سوال کا منت کش رحمت بنا کر نوازا گیا حق تعالیٰ نے اپنے محبوب خاص محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وہ نعمت از خود مرحمت فرما دی۔

اس سے جہاں حضورؐ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے وہاں سیدنا علیؑ ابن ابیطالبؑ کی عظمت کا نقش بھی صفحۂ تاریخ پر مرتسم ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ کو جو اعزاز ادھیڑ عمر میں ملا سیدنا علیؑ کو عنفوان شباب ہی میں اس اعزاز کا مستحق قرار دے دیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کو جو شکایت اپنے صحابہ سے تھی کہ وہ راہ عزیمت و استقامت میں ان کے دوش بہ دوش میدان عمل اور مصارف جہاد میں ان کے شریک کار نہیں بنتے تھے اسی قسم کی شکایت حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اپنے صحابہ سے پیدا ہوئی اگرچہ حضورؐ کی مروت و حیا نے اس کے اظہار سے گریز فرمایا۔

غزوۂ خندق (احزاب) میں جب عمرؔ ابن عبدود نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی تو کیا اس وقت حضورؐ کے ارد گرد صحابہ کا جم غفیر موجود نہیں تھا کیا وہاں ابوبکر نہیں تھے کیا عمر ابن خطاب موجود نہیں تھے لیکن عرب کے اس نامور سورما کا نام سُن کر سب کو سانپ سونگھ گیا صرف ایک آواز تھی جو بار بار اس کی مبارزت کی للکار کے جواب میں بلند ہوتی تھی کہ "انالہ یارسولؐ اللہ (یارسول اللہ میں اس کے مقابلہ پر نکلوں گا) اور جب حضورؐ نے دیکھا کہ جاں نثاری کا دم بھرنے والوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا اور دودھ پینے والے

مجنوں جان کی بازی لگانے سے پس وپیش کر رہے ہیں تو پھر وہی عمزادِ پیغمبر پروردۂ آغوشِ نبوت مثیل ہارونؑ میدان میں نکلا اور چشم زدن میں اس نے عرب کے اس ناقابل شکست سورما کا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا اور اسے تہ تیغ کر کے دم لیا۔

اور زندگی کے اس کٹھن اور مشکل دور میں جب ایک طاقت ور حریف کے مقابلہ کے لیے حضورؐ کو اپنی پوری فوجی قوت مجتمع کر کے مدینہ منورہ سے کالے کوسوں دور تبوک کا سفر اختیار کرنا پڑا تو اس نازک مرحلہ پر حضورؐ کی جانشینی کا شرف بھی اسی بھائی کو حاصل ہوا جو مثیل ہارونؑ تھا اور جب اس نے شرف جہاد سے اس محرومی پر ملال کا اظہار کیا تو زبان نبوت و وحی نے " اما بنعمة ربك فحدث (اپنے رب کی نعمت کا برملا اظہار کرو) کے ارشاد ربانی کے مطابق اس جان و دل سے عزیز بلکہ یک جان و دو قالب بھائی سے فرمایا۔ "الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ (کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم میرے لیے وہی کچھ ہو جو موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔ فرق صرف نبوت کا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا ورنہ وہ تاج بھی تمہارے سر پر رکھا جاتا۔

چٹ بھی میرا پٹ بھی میرا

جن لوگوں کے دلوں میں سیدنا علیؓ ابن ابی طالبؓ کا بغض ودیعت ہوا ہے اور جو اٹھتے بیٹھتے ان کے حریفان کم سواد و رقیبان رو سیاہ کے گن گاتے رہتے ہیں وہ شرف و امتیاز کے ان زریں واقعات کو سن کر

جواب میں یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی ما بہ الامتیاز خصوصیت نہیں کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں غزوات میں شرکت کے موقعہ پر بعض دوسرے صحابہ کو بھی جن میں مشہور نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کا نام بھی آتا ہے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے لیکن کیا حضورؐ نے دوسرے کسی صحابی کو "بمنزلۃ ہارون من موسیٰؑ" کی نوید سنائی اور کیا کسی اور صحابی کی بابت من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا میں آقا ہوں علیؑ بھی اس کا آقا ہے) کا اعلان فرمایا۔ ایک طرف تو یہ لوگ ابوبکر کے نماز پڑھانے کو ان کی خلافت کے لیے سند جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان کے خلیفہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا حالانکہ اگر یہ کوئی اعزاز ہے تو ابوبکر سے پہلے دوسرے بہت سے صحابہ کو یہ اعزاز مل چکا تھا اس بنا پر خلافت کے لیے ان کو اولیت اور فوقیت دی جانی چاہیئے تھی۔ ان نماز پڑھانے والوں میں ایک نمایاں نام تو عبداللہ ابن ام مکتوم کا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت سعدؓ بن عبادہ ابوذر غفاریؓ ابولبابہؓ، عتاب بن اسید اور ایسے ہی دوسرے بہت سے صحابہ کے بارے میں یہ بات مذکور ہے کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً حضورؐ کے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اگر اس سے ان کی خلافت متحقق نہیں ہوئی تو ابوبکر کس طرح مستحق خلافت ہو سکتے ہیں۔ جبکہ خود اہل سنت ہی کی کتب حدیث میں اس مضمون کی روایتیں موجود ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ الصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر۔ (نماز با جماعت

تم پر واجب ہے ہر مسلمان کی اقتدا دین چاہے وہ نیک ہو یا بد اور خواہ وہ مرتکب کبائر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

صلوا خلف کل بر و فاجر ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔

گویا حضورؐ کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے سے مسند خلافت تو کیا ملتی ابوبکر کا نیک ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا لیکن پروپیگنڈے کی تکنیک ہی یہ ہے کہ ایک جھوٹی بے بنیاد اور بے سروپا بات پر پورا زورِ بیان صرف کر دیا جائے۔ اور اس حد تک اسے دہرایا جائے کہ بظاہر وہ کتنی ہی بے وزن کیوں نہ ہو لوگ اس کی صداقت تسلیم کر لیں۔

ابوبکر کو اگر خلافت اس لیے ملی کہ انہوں نے حضورؐ کے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی تھی تو عمر کو کس خدمت کے صلہ میں بن مانگے یہ دولت میسر آئی انہوں نے تو کبھی حضورؐ کا مصلیٰ استعمال نہیں کیا تھا بلکہ اہل سنت کی معتبر و مستند کتب حدیث میں یہ واضح روایت موجود ہے کہ عمر ابن خطاب کے کچھ حامیوں نے انہیں حضورؐ کے مصلیٰ پر کھڑا کرنے کی کوشش کی مگر حضورؐ نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی گویا اہل سنت کے علم الکلام کی رو سے جسے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا ہو وہ بھی خلافت کا مستحق ہے اور جسے کھڑا ہونے سے روک دیا ہو وہ بھی خلافت کا مستحق ہے اسے ہی کہتے ہیں جٹ بھی میرا اور پٹ بھی میرا۔

مصلیٰ پر کھڑا ہونے سے خلافت مل سکتی ہے لیکن "من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ" کے مصداق کا خلافت پر کوئی حق نہیں ہے اور "بمنزلہ ہارون

من موسیٰؑ" کی خلافت کے لیے اہل سنّت کو کوئی دلیل ہی دستیاب نہیں ہے۔

بے لبسی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے دلی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ولایت و امامت علیؑ پر ایک مستند سُنّی عالم کی دستاویزی شہادت

یہاں پر ایک بار شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کی کتاب "منصب امامت" سے ایک اقتباس پیش کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ اس لیے کہ آج کل دیوبندی مسلک اور اہل حدیث فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہی زیادہ تر خارجیت کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور مسلک شیعہ کے رد میں زیادہ تر انہی حضرات کی کتابیں دھڑا دھڑ منظر عام پر آ رہی ہیں اور یہی لوگ شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کو اسلام کا "بطل جلیل" اور "مجاہد اعظم" قرار دیتے ہیں بہرحال شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"امام رسول کے سعادت مند فرزند کے مانند ہے باقی تمام اکابر امت و بزرگان ملت، ملازموں، خدمت گاروں اور جان نثاروں کی مانند ہیں پس جس طرح تمام اکابر سلطنت و ارکان مملکت کے لیے شہزادہ والا قدر کی تعظیم ضروری ہے اور اس سے توسل موجب سعادت ہے اسی طرح اس سے مقابلہ کرنا شقاوت کی علامت اور باسیر مفاخرت کا اظہار بدانجامی پر دلالت کرتا ہے ایسا ہی ہر صاحب کمال کے حضور میں تواضع اور تذلل سعادت دارین کا باعث ہے اور اس کے حضور میں اپنے علم و کمال کو کچھ سمجھ بیٹھنا دونوں جہان کی شقاوت ہے اس کے ساتھ یگانگی رکھا ہو

بیگانگی ہے اور اس سے بیگانگی رسولؐ سے بیگانگی کے مترادف ہے خصوصاً اس وقت جبکہ نیابت پیغمبری اللہ رب العزت کی طرف سے اسے تفویض ہو چکی ہو۔ اس بات کو ذیل کی مثال سے سمجھ لیجیے مثلاً ایک بادشاہ کے مقربوں میں سے کوئی امیر جلیل القدر تمام اہل دربار میں خاص خدمت پر مامور اور ایک بلند منصب پر فائز ہو اس کے ہاں ایک نیک بخت بیٹا ہو جو اپنے باپ کے برابر لیاقت و ہنر رکھتا ہو، بادشاہ اور اراکین دربار اسکو عزت و توقیر کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہوں یہاں تک کہ باپ کی نیابت کا منصب بادشاہ نے اسے تفویض کر دیا ہو۔ اب اگر اس کے باپ کے رفقاء میں سے کوئی اس کے ساتھ مقابلتاً شرکت کرے اور اس کے مقابلہ میں اپنے منصب پر تفاخر کرے تو یقیناً بادشاہ کی طرف سے اس پر نافرمانی اور بغاوت کا الزام عائد ہو گا اور مستوجب عتاب شاہی ہو گا اسی طرح امام وقت سے سرکشی اور روگردانی گستاخی کا باعث ہے امام کے ساتھ بلکہ خود گویا کہ رسولؐ کے ساتھ ہمسری ہے اور خفیہ طور پر خود رب العزت پر اعتراض ہے کہ ایسے ناقص شخص کو کامل شخص کی نیابت کا منصب عطا ہوا الغرض اس کے توسل کے بغیر تقرب الٰہی محض وہم و خیال ہے جو سراسر باطل اور محال ہے۔

بے عنایات حق و خاصان حق

گر ملک باشد سیہ گردد ورق

نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حب علیٍّ حسنۃ لا تضر معھا سیئۃ و بغض علی سیئۃ لا تنفع معھا حسنۃ (علیؑ سے محبت ایسی نیکی ہے کہ اس نیکی کے ہوتے ہوئے کوئی برائی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور

علیؑ ابن ابی طالبؑ سے بغض رکھنا ایسی برائی ہے کہ اس برائی کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچا سکتی) اور فرمایا: الا ان مثل اهل بیتی فیکم کمثل سفینہ نوحؑ من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلک (یاد رکھو میرے اہل بیتؑ کی مثال تمہارے درمیان کشتی نوحؑ کی سی ہے کہ جو اس میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا برباد ہو گیا۔ (صف ۱۳۰ تا صف ۱۳۲)

شاہ اسمٰعیل شہید کی یہ تحریر اس امر کی صراحت کرتی ہے کہ جن اکابر و اعیان نے سیدنا علیؑ برحق کی امامت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ انہوں نے رسولؐ سے بھی بغاوت کی اور خدا پر بھی بد اعتمادی کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ لوگ خوب جانتے تھے اور انہیں اچھی طرح علم تھا۔ اور وہ اس حقیقت نفس اللامری سے بخوبی آگاہ تھا اور انہیں اس بارے میں مکمل واقفیت تھی کہ پیغمبرؐ کی محبوب ترین شخصیت اس کی مسند امامت کا وارث اور اس کے بعد اس کی ولایت کا اولین مستحق بجز ذات سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کے اور کوئی نہیں لیکن یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے انہوں نے ان حقائق کو نظر انداز کیا حضورؐ کی خواہش و وصیت (۱۸/۱۷۷) کو پامال کیا اور "حق بہ حق دار رسید" پر عمل پیرا ہونے کی بجائے مستحق امارت و ولایت و امامت کا حق غصب کیا اور غاصبوں کی حکومت کو خلافت راشدہ کا نام وہی دے سکتا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے عقل سلیم سے بے بہرہ اور فکرِ صحیح سے محروم رکھا ہو۔ "من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ" (میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے) کی روایت کا آج تک کسی مستند سُنّی عالم نے انکار نہیں کیا نہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان کے لڑکے شاہ عبد العزیز نے، نہ ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل نے نہ کسی

اور محدث دعالم نے دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جنگ آزادیٔ ہند کے نامور رہنما مولانا حسین احمد مدنی نے تو اس حدیث کو اپنے خطبۂ جمعہ میں جسے انہوں نے خود ترتیب دیا ہے۔ حضرت علیؑ کے باب میں بڑے اہتمام سے درج کیا ہے۔ اب اس حدیث کے مفہوم میں کوئی ایسی گنجلک اور اس کے معانی میں کوئی ایسا ابہام تو ہے نہیں کہ اس کے لیے تاویل کے گھوڑے دوڑائے جائیں ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی پوری جمعیت کے سامنے اس امر کا اعلان اور وہ بھی ایک ایسے موقعہ پر جبکہ حضورؐ نے حجۃ الوداع کے اسی خطبہ میں اپنے دنیا سے رخصت ہونے کا اشارہ بھی کیا ہو ولایت مولائے کائناتؑ کا اعلان کیا مفہوم و معنی رکھتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ پچھلے چودہ سو برس سے خود فروش ملا۔ اس اعلان واجب الاذعانؐ کو غلط تعبیر و تاویل کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی سعی مذموم میں مصروف ہیں۔

دلے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

یہاں پھر ایک بار شاہ اسمٰعیل شہید ہی کی منصب امامت سے بعض ایسی حدیثیں نقل کر رہا ہوں تا کہ اہل سنت مطمئن رہیں کہ ؎

انہی کے مطالب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی

قرآن مقدس کی مشہور آیت کریمہ "وقفوھم انھم مسئولون" (ان کو ٹھہرادو کہ ان سے سوال ہوگا۔) کی تشریح کے ضمن میں شاہ صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

نبی صلے اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے فرمایا:

"انہم مسئولون عن ولایۃ علیؑ" (ان سے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔) صد ۱۳

حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: " ان اللہ اطلع اھل الارض فاختار اباک وبعلک (منصب امامت ۱۳)

"اللہ تعالٰے نے باشندگان زمین کا جائزہ لینے کے بعد تیرے باپؐ اور اور تیرے شوہرؑ کو منتخب وبرگزیدہ قرار دیا ہے۔"

حضورؐ کی خدمت میں بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا تو حضورؐ نے دُعا فرمائی کہ

" اللھم ائتنی باحب خلقک الیک یاکل معی ھذا الطیر فجائہ علیؑ فاکل معہ" (ایضا صد ٦٩)

"خداوندا اپنی مخلوق میں جو شخص تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اسے بھیج کر میرے ساتھ شریک ہو کر وہ اس پرندے کا گوشت کھائے اتنے میں علیؑ ابن ابی طالبؑ تشریف لائے اور وہ اس کھانے میں حضورؐ کے ساتھ شریک ہوئے۔"

منصب امامت ہی سے ایک اور حدیث ۔ ان اللہ تبارک وتعالیٰ امرنی بحب الاربعۃ واخبرنی انہ یحبھم قیل یارسول اللہ اسمھم لنا قال علیؑ منھم یقول ذلک ثلاثا وابوذر ومقداد وسلمان امرنی بحبھم واخبرنی انہ یحبھم۔ (ایضا صد ٦٩)

(اللہ تبارک تعالٰے نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کا حکم دیا ہے اور مجھے بتایا ہے کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ عرض کیا گیا یارسولؐ اللہ! ان چار آدمیوں

کے نام بتائیں حضورؐ نے فرمایا: "ان میں سے ایک تو علیؑ ابن ابی طالب ہیں" اس فقرہ کو حضورؐ نے تین مرتبہ دہرایا پھر فرمایا دوسرے تین ابو ذر غفاریؓ ہیں مقدادؓ بن الاسود ہیں اور سلمان فارسیؓ ہیں ان چار سے محبت رکھنے کی حق تعالےٰ نے مجھے ہدایت فرمائی ہے اور مجھے اللہ تعالےٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بھی ان چاروں کو محبوب رکھتا ہے"۔

خدا اور اس کے رسولؐ کی محبوب ترین شخصیت کیساتھ جو سلوک صحابہ نے کیا وہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے اور اس سلوک کو دیکھتے ہوئے کوئی غیرت مند مسلمان جس کے دل کے کسی گوشہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی کوئی چنگاری باقی ہے ان اصحابہ کے بارے میں کوئی خوش گمانی نہیں رکھ سکتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بھی حضورؐ کی محبوب شخصیت تھے اور خدا کے محبوب بھی تھے ان کے ساتھ جو بدسلوکی تیسرے خلیفہ نے کی اور انہیں جس طرح جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا وہ بھی ہماری تاریخ ملی کا شاہکار ہے حالانکہ ابوذر غفاریؓ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اس دھرتی پر اور اس آسمان کے نیچے دنیا کے سب سے زیادہ راستباز انسان تھے رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ

جس نکتہ پر میں سب سے زیادہ زور دے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد جو لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے ان کے دلوں میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا عنصر مفقود تھا انہوں نے حضورؐ کے ساتھ ان کے وصال کے بعد وہی سلوک کیا جو ایک بے رحم سیاست دان دوسرے پیشرو سیاستدان سے کرتا ہے عظمت پیغمبرؐ کا کوئی نقش ان کے دل پر مرتسم نہیں تھا ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حضورؐ کے اعزہ و اقارب کیساتھ وہ معاملہ کرتے جو انہوں نے روا رکھا اس سلسلہ میں مجھے عمر ابن خطاب

کا وہ فقرہ یاد آتا ہے جو انہوں نے ایک گفتگو کے درمیان حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے حضورؐ کے خاندان کے بارے میں کہا تھا انہوں نے اس حسد و رقابت کو جس کا نشانہ خاندانِ نبوت بنا تھا خود اسی خاندانِ نبوت پر چسپاں کرنے کی نار وا جسارت کرتے ہوئے حضورؐ کے عم زادے سے کہا۔ ھیھات ابت واللّٰہ قلوبکم فی بنی ھاشم الاحسدا ایا نحول اضغنا و غشا ماینزل (طبری و ابن اثیر والامم والاول) ہائے کتنے افسوس کی بات ہے کہ اے بنی ہاشم تمہارے والوں سے حسد کینہ اور کھوٹ دور نہ ہو سکا۔

اس پر حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے جواباً فرمایا۔ مھلا یا امیر المومنین لا تصف قلوب قوم اذھب اللّٰہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا بالحسد والغش فان قلب رسول اللّٰہ من قلوب بنی ھاشم عرب کے ایک کندۂ نا تراش اَن پڑھ بدو اور چرواہے کا بیٹا جو محمد عربی و ہاشمی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے میں خلافت کے منصب بلند پر فائز ہے کس ڈھٹائی، دیدہ دلیری گستاخی اور احسان فراموشی کے ساتھ خاندانِ نبوت کو مطعون کر رہا ہے وہ خانوادۂ بنی ہاشم جو اس شخص کی چیرہ دستیوں کا زخم خوردہ ہے وہ اس کے ساتھ کی گئی پے در پے ناانصافیوں پر شرمندہ ہونے کی بجائے اسی پر الزام عائد کر رہا ہے کہ اس کے دل میں بغض و حسد کے جذبات پنہاں ہیں اسے کہتے ہیں "زبردست کا ٹھینگا سر پر" اور اسی سنگدلی اور قساوت و شقاوت کا نام ہے "زبردست مارے اور رونے نہ دے" اور یہی وہ بدلحاظ شخص ہے جس کے بارے میں ہمارے قصیدہ گو مورخین کہتے ہیں کہ "خلافت علی منہاج النبوت" کی بنیادیں اسی نے مضبوط کیں۔ خاندانِ نبوت

کو سب سے زیادہ آزار پہنچانے والا شخص "منہاج نبوت" کا محافظ یعنی بلی دودھ کی رکھوالی۔ بنو ہاشم سے ان حضرت کے بغض و کینہ کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت جن چھ آدمیوں کو خلافت کے لیے موزوں قرار دیا ان پر اس اندیشہ سے کہ کہیں سیدنا علی منتخب نہ ہو جائیں یہ قدغن لگا دی کہ جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گے۔ اسی کو ان کا جانشین مقرر کیا جائے گا اور ظاہر ہے عبدالرحمٰن بن عوف اپنے قریبی رشتہ دار سے روگردانی کیوں کرنے لگے تھے لیکن اس پر بھی بے اعتمادی کا یہ عالم کہ ویٹو پاور (VITTO POWER) اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کے سپرد کی کہ اگر ووٹ برابر برابر ہو جائیں تو جس طرف عبداللہ ابن عمر کا ووٹ ہو گا وہی مستحق خلافت ہو گا یہ تھا ان کا منہاج نبوت

ہونٹ پر لا الہ اللہ

اور سینے میں زہر کژدم ومار

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

صحابہ سے ہمدردی کا مروڑ کیوں اٹھ رہا ہے؟

میں نے اس موضوع پر کافی کچھ سوچ بچار کیا ہے کہ اسلام کے اس دورِ انحطاط میں صحابہ سے ہمدردی کا مروڑ لوگوں کے پیٹ میں کیوں اٹھ رہا ہے حتیٰ کہ صحابہ سے ہمدردی کی یہ تحریک خارجیت کی حدود میں داخل ہو چکی ہے اور لوگ صحابہ کے مقابلہ میں اہل بیتِ نبوت کو ثانوی درجہ (DEGRADE) کیوں دے رہے ہیں۔

خود میں نے تاریخ اسلامی کے ایک غیر جانبدار طالب علم کی طرح تاریخ

کے مختلف و متنازعہ فیہ ابواب پر نظر ڈالی ہے۔ اور اس سارے مطالعہ کے دوران میرا مقصد خود اپنے ذہن کو مطمئن کرنا تھا یعنی محض احقاق حق اور ابطال باطل کا نظریہ کار فرما تھا میں نے تاریخی واقعات سے اپنے دل و دماغ کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی اور اس بات کو پوری طرح ملحوظ رکھا کہ حضور نبی اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے شرف صحابیت کی نسبت رکھنے والے کسی شخص کی توہین کم از کم میرے قلم سے سرزد نہ ہو میرا یہ جذبہ سراسر اخلاص و دیانت پر مبنی تھا مگر جب اس حزم و احتیاط کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرنے کے باوجود بعض ایسے کردار نظر کے سامنے آئے جس قسم کے ناپسندیدہ کردار ہمارے تباہ حال معاشرہ کے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں عام ملتے ہیں تو میری اس عقیدت کو سخت دھچکا لگا۔

وہ تاریخی واقعات جنہوں نے مجھے متزلزل کیا اور میرے عقائد کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ اس کا سبب ایک مخصوص ذہنی پس منظر ہے اور وہ ہے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس واطہر کے ساتھ بے پایاں محبت 'مجھ ایسے گنہگار اور فرومایہ انسان کے لیے حضورؐ کی محبت کا سرمایہ ہمیشہ حرز دل و جان بنتا رہا' بدعمل اور روسیاہ ہونے کے باوجود حضورؐ کی ماثورہ دعائیں ہمیشہ میرا ورد بنی رہیں اور زندگی کی اس طویل مسافت میں جب کبھی مصائب و مشکلات سے دوچار ہوا تو حضورؐ کی دعاؤں کی بروقت دستگیری نے دل و دماغ میں حضورؐ کی ذات پر یقین اور آپؐ سے محبت اس طرح پیوست کر دی کہ حضورؐ کے نام نامی اور اسم گرامی کے تذکرہ سے

طبیعت میں اہتزاز کی اور رقت و گداز سے دل کی دنیا میں ارتعاش کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔

حضورؐ کی ذات والا تبار کے ساتھ بے پایاں اور غیر مشروط محبت ہی کی یہ تاثیر تھی کہ حضورؐ سے نسبت قرابت رکھنے والے بھی اسی طرح محبت کا مرکز بنتے چلے گئے۔ بلاشبہ صحابہ کو بھی حضورؐ سے نسبت ہے اور اہل بیتؑ کو بھی حضورؐ سے نسبت ہے لیکن ان نسبتوں میں واضح فرق ہے ایک نسبت نظریاتی ہے اور بس، دوسری نسبت نظریاتی بھی ہے اور طبعی وجبلی بھی، ظاہر ہے کہ اہل بیتؑ کی نسبت دوہری ہے۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عمر بھر کا طرز عمل، ان کی زندگی کا انداز، ان کا زہد وورع ان کے فقر و غنا کی سرگزشت، ان کے صبر و رضا کی کیفیت، ان کے تقویٰ و طہارت کی نوعیت بتاتی ہے کہ وہ نظریاتی طور پر اپنے والد گرامی کے مشن سے والہانہ تعلق رکھتی تھیں بلکہ والد کے افکار و نظریات ان کے دل و دماغ میں رچ بس گئے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کو اس سانچے میں پوری طرح ڈھال لیا تھا جو ان کے والد مقدس نے پیانچہ ہم کیا تھا اس حسن باطنی اور جمال معنوی کے ساتھ ساتھ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ایک اور بے بہا اعزاز اور بیش قیمت شرف بھی حاصل ہے کہ وہ لخت جگر پیغمبرؐ ہیں اور اس نسبت قرابت کی بنا پر ان کا مرتبہ ان صحابہ سے یقیناً افضل ہے جو محض ایک نسبت رکھتے ہوں خون کا رشتہ ہر رشتہ سے مقدم ہے جبکہ اس خون میں خوشبوئے وفا بھی ہو، سیدنا علیؑ ابن ابیطالبؑ اپنے سارے محاسن و کمالات علمی و عملی کے ساتھ ساتھ پروردہ آغوش نبوت بھی ہیں۔ داماد رسولؐ بھی حضرت ابوطالبؑ جیسے مشفق و شفیق چچا کے فرزند بھی ہیں اور جاں نثاری و وفاداری کے پیکر بھی اس دوہری نسبت

بین الاقوامی کا کوئی شریک و ہمسر نہیں ہے سیدنا علیؑ اور سیدہ فاطمہؑ کے سنجوگ سے جو اولاد پیدا ہوئی ان سے حضورؐ کی محبت بھی ایک فطری تقاضا تھا اور اس باب میں متعدد روایات ہم قبل ازیں پیش کر چکے ہیں۔

اب یہ بالکل بدیہی اور منطقی اور فطری بات ہے کہ میرا کوئی قریبی دوست جس کا مجھ سے تعلق یک جان و دو قالب کا ہو۔ اگر میرے لڑکے یا لڑکی کا حق غصب کرے اس پر ناروا سختی کرے اسے اس کے جائز ورثہ یا ملکیت سے محروم کرنے کی کوشش کرے تو میرا ردِ عمل اس باب میں کیا ہوگا ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اس صورتِ حال پر غور کرے تو اس کا ردِ عمل یہی ہوگا کہ وہ ایسے دوست سے بات تک کرنے کا روادار نہیں ہوگا اور اس سے قطع تعلق کر لے گا تو کیا پیغمبرؐ کی بیٹیؑ اور اس کی اولاد کی وہ اہمیت بھی نہیں ہے جو خود ہماری اولاد ہماری نظر میں ہے۔ کیا پیغمبرؐ کے قرابت داروں کی ہماری نظر میں وہ اوقات بھی نہیں ہے، جو ہماری نگاہ میں خود ہمارے قرابت داروں کی ہے، کیا پیغمبرؐ کی محبوب شخصیتیں ہماری محبوب شخصیتوں کے مرتبہ سے بھی فرو تر ہیں کہ ان کے ساتھ بدسلوکی پر ہماری غیرت و حمیت جوش نہیں کھاتی اور ہمارا خون اس بدمعاملگی پر کھولتا نہیں ہے۔

بنتِ پیغمبر سے بدسلوکی

سُنی اور شیعہ دونوں کی کتابیں اس امر پر متفق ہیں کہ حضورؐ کے وصال کے بعد سیدہ فاطمہؑ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی اہل سنت کے مستند مورخ شبلی نعمانی کی "الفاروق" ہی اٹھا کر دیکھ لی جائے کیا خلیفۂ دوم نے سیدہ فاطمہؑ اور

اور ان کے شوہر گرامیؑ کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی اور خلیفہ اول نے اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا اور جس کسی نے اس دھاندلی کے خلاف آواز اٹھائی اسے بھی تختۂ مشق ستم نہیں بنایا گیا؟

کیا حضورؐ کی لخت جگرؑ کو ان کے حق ملکیت سے محروم کر دینا اور ان کے مطالبہ کے باوجود انہیں ان کا جائز حق نہ دینا کوئی برائی نہیں ہے، کیا یہ عشق رسولؐ کا مظاہرہ تھا کہ دھمکی دی گئی کہ سیدہ فاطمہؑ کے مکان کو نذر آتش کر دیا جائے گا۔ خدا را انصاف کیجئے کہ آیا حضورؐ اس صورت حال کو پسند فرماتے۔

کیا حضورؐ کے اعزہ و اقارب عربی محاورہ کے مطابق "لحم علی وضم" (چپان پر گوشت کا لوتھڑا جسے جو چاہے اچک لے) کی طرح تھے کیا محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محض ایک سیاسی لیڈر تھے کہ ادھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر دوسرے طالع آزما سیاسی لیڈروں نے ان کی مسند پر قبضہ کر لیا اور یکایک عامۃ الناس کی وفاداریاں تبدیل ہو گئیں بلاشبہ حضورؐ ایک زبردست سیاسی رہنما بھی تھے مگر ان کی اصل حیثیت ایک ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبرؐ کی تھی جو سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی تھی جس کی نبوت و رسالت ابدی اور عالمی تھی اور جسؐ پر صرف ایمان لانا ہی نہیں بلکہ اپنی جان، اولاد، مال اور اعزہ و اقارب سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب و دل نشین رکھنا بھی لازمۂ ایمان ہے وہ صرف دین و شریعت ہی کا مرکزی نقطہ نہیں ہے بلکہ محبتوں اور وفاداریوں کا مرکز و محور بھی ہے اسکی اتباع بھی ضروری ہے اور اسے دل کی دھڑکنوں میں بسا کر اسکی محبت میں سرشاری بھی عین تقاضائے ایمان ہے یہاں مجھے

اپنا ہی ایک شعر یاد آگیا۔

اسی کی ذات ہے ایمان و دین کا مقصود   اسی کے عشق میں زندہ ہے رسم جاں طلبی

اور حضور کی اسی شان محبوبیت ہی کا یہ ادنیٰ اور اولین تقاضا ہے کہ حضورؐ کی محبوب شخصیتوں سے بھی محبت کا لازوال عہد و پیماں استوار کیا جائے ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں۔" عورتوں میں سب سے زیادہ حضورؐ کو محبت اپنی بیٹی فاطمہؑ سے تھی اور مردوں میں ان کے شوہر علیؑ ابن ابیطالبؑ سے۔ (ترمذی)

مشہور صحابی انس بن مالک کہتے ہیں حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عنوان صحیفۃ المومن حب علی بن ابی طالبؑ (تاریخ بغداد طیب ج ۴ ص ۴۱۰) "مومن کے نامۂ اعمال کا سر مطلع عنوان علیؑ ابن ابی طالبؑ کی محبت ہے۔" سیدہ فاطمہؑ۔ سیدنا علیؑ اور ان کے دونوں فرزند حضورؐ کی محبوب ترین شخصیتیں ہیں اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔

درود ابراہیمیؑ

بنا بریں حضورؐ کے ساتھ محبت جب تک حضورؐ کے اہل بیتؑ کی محبت کے ساتھ مربوط نہیں ہوگی ایمان کبھی شرمندۂ تکمیل نہیں ہو سکتا اسی لیے حضورؐ سے درودِ پاک کے جو الفاظ ماثور ہیں ان میں حضورؐ کی ذات کے ساتھ حضورؐ کی آل اطہارؑ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اہل سنت کے ہاں بھی سب سے افضل درود وہ ہے جسے درود ابراہیمیؑ کہا جاتا ہے اور جو ان کے ہاں تمام نمازوں میں قعدہ ہائے اخیرہ میں مروج ہے یعنی اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیمؑ وعلی

آل ابراھیمؑ انک حمید مجید۔ محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کی ہدایت خود اس امر کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ حضورؐ پر ایمان کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حضورؐ کی آل کے ساتھ بھی دلی وابستگی کا اظہار ہو۔

درود ابراہیمیؑ کے تذکرہ سے ذہن میں ایک اور نکتہ بھی ابھرا کہ حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور اپنی آلؑ کے لیے اس قسم کی رحمت و برکت کی درخواست فرمائی ہے جیسی رحمت و برکت حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل کی گئی۔ آل ابراہیمؑ کے بارے میں تو قرآن پاک نے صراحتاً بتایا ہے کہ واتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکا عظیما۔ لیکن جب آل محمدؐ کی نوبت آئی تو انہیں اس درود ابراہیمیؑ کے پڑھنے والوں نے ان کے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیا اور اب بعض گستاخ، بے ادب، بدلحاظ اور مروت سے تہی مایہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ "آل" سے مراد اہل بیتؑ نبوت نہیں ہیں۔ بلکہ ہر مسلمان آل محمدؐ ہے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے دوسری بہت سی موضوع حدیثوں کی طرح یہ حدیث بھی گھڑی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کل تقی و نقی فھو آلی ہر پرہیز گار اور پاک صاف شخص میری آل ہے۔

حالانکہ امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ آل محمدؐ سے مراد وہ افراد بنو ہاشمؑ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ انما آل محمد لا تحل لھم الصدقۃ (بلاشبہ آل محمدؐ کے لیے صدقہ کی کوئی چیز حلال نہیں ہے) اس تعریف کی رو سے ازواج پیغمبرؐ بھی زمرۂ آل میں شمار نہیں ہوتیں جیسا کہ حضرت زید ابن ارقم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ تمام امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضورؐ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں انبیاءؑ کی اس فہرست میں حضرت ابراہیمؑ بھی شامل ہیں حضورؐ کی فضیلت کلی کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضورؐ کی آلؑ کو آل ابراہیمؑ سے بھی زیادہ قدر و منزلت اور تکریم و احترام کا مستحق قرار دیا جاتا لیکن حضورؐ کے بعض نام نہاد صحابہ نے اور ان صحابہ کے اندھے مقلدوں نے آلؑ محمدؐ کو ان کی قرار واقعی عظمت (DUE RESPECT) سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور یہ سب کچھ عظمت صحابہ کے نام پر کیا جا رہا ہے۔

صحابہ بلاشبہ عظیم ہیں مگر اہل بیتؑ کی قیمت پر نہیں کہ اہل بیتؑ کی عظمت کو مجروح کر کے ان کی عظمت کا محل استوار کیا جائے محمدؐ سے وفاداری کے لیے آلؑ محمدؐ اور اہل بیتؑ نبوتؐ سے وفاداری ایک بدیہی امر ہے اور آج جو لوگ اس کے برعکس سوچتے ہیں۔ ان کے دل محبت رسولؐ سے یکسر خالی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وفادار صحابی صرف وہ ہے جو حضورؐ سے بھی محبت کا دم بھرے اور حضورؐ کے اہل بیتؑ سے بھی اسکی عقیدت و محبت غیر متزلزل ہو۔

یہی وہ نکتہ تھا جسے سیدنا عمار بن یاسرؓ نے سمجھا اور اس پر صحابہ کی جماعت کو متوجہ کیا انہوں نے فرمایا تھا ایہا الناس ان اللہ عز وجل اکرمنا بنبیہ و اعزنا بدینہ فانی تصرفون ھذا الامر عن اھل بیت بینکم۔ (لوگو! جس پیغمبرؐ کے ذریعے ہمیں عزت و سرفرازی ملی اور جس دین برحق نے شرف و امتیاز بخشا اسی کے اہل بیتؑ کو نظم حکومت سے کب تک دور دور رکھے رہو گے۔ (طبری ج ۳ ص ۲۹۷)

صحابہ کی جماعت اس نکتہ سے بے خبر نہیں تھی مگر ان کے سرغنوں کو اس میں اپنی موت نظر آتی تھی کہ پیغمبرؐ کے بعد اس کے اہل بیتؑ پیغمبرؐ کی مسند پر متمکن ہوں اور

یوں ان کی چوہدراہٹ معرض خطر میں پڑ جائے۔

مجرمانہ ذہنیت کے لوگ

جو لوگ عظمت اہل بیت کی بجائے عظمت صحابہ کا راگ الاپتے ہیں وہ دراصل مجرمانہ ذہنیت کے حامل لوگ ہیں اور اپنے مجرم ضمیر کے لیے عظمت صحابہ کی پناہ گاہ تلاش کرتے ہیں یہ لوگ اپنے جرائم کو سند جواز بخشنے کے لیے صحابہ کی آڑ لیتے ہیں اور اس طرح لوگوں کی نظروں میں اپنے کردارِ بد کے لیے "سلف صالحین" کے کردار کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔

ایسے صحابہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے حدیثیں وضع کرنے کا دھندا اختیار کیا صحابہ کے ان نام لیواؤں نے بھی وضعی حدیثوں کے انبار لگا دیئے۔

ایسے صحابہ بھی ہیں جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا اور قانون شہادت میں ایک خامی کا سہارا لے کر سزا سے صاف بچ گئے صحابہ کی عظمت کے ان ڈھنڈورچیوں میں بھی ایسے بیشمار لوگ ہیں جو حجروں میں مجرے کراتے رہے ہیں۔ ایسے صحابی بھی ہیں جو علۃ المشائخ کے مریض تھے جیسا کہ حکم بن العاص لعین کے بارے میں مشہور ہے ان صحابہ کے پیروکاروں کی اکثریت علۃ المشائخ میں مبتلا ہے۔

ایسے صحابی بھی ہیں جنہوں نے محض سیاسی جوڑ توڑ کی غرض سے اپنے باپ کی ناجائز اولاد کو اپنا جائز بھائی قرار دے دیا آج بھی ان صحابہ کے گن گانے والوں میں بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نسب میں تبدیلی کر لی تحفظ حقوق اہل سنت کے عبد المجید ندیم ڈیرہ غازی خان کے کھٹیک برادری سے تعلق رکھتے ہیں مگر پچھلے چند سال سے اپنے نام کے ساتھ بڑے دھڑلے سے سید :

لکھ رہے ہیں اور یہ تو محض ایک نام ہے اس حمام میں بیشمار ننگے نظر آئیں گے۔[1]

ایسے صحابی بھی ہیں جنہوں نے محمد عربی کے پیرو کار ہونے کے باوجود سرمایہ دارانہ ٹھاٹھ جمائے حالانکہ اسوۂ رسولؐ کے سراسر منافی ان کا طرز عمل تھا اور آج سرمایہ دار دل کے ایجنٹ حضورؐ کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر صحابی کی سرمایہ داری کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں ایسے صحابی بھی ہیں جنہوں سیاست میں مول تول کا طریق اپنایا اور اس قماش کے لوگ آج محض اپنے اس طرز عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے صحابہ کا نام جپتے ہیں۔

ایسے صحابہ بھی ہیں جو دوسروں کے "عمل صالح" کا کریڈٹ خود لیتے رہے ہیں اور اس کی گواہی قرآن نے دی یریدون ان یحمدوا بمالم یفعلوا (چاہتے یہ رہے کہ جو کام انہوں نے سرانجام نہیں دیا اسکی تعریف بھی ان کے کھاتے میں ڈال دی جائے) صحابہ کے ماننے والوں میں اس قسم کے لوگوں کا جم غفیر ہے جس نے یہی وطیرہ اپنا رکھا ہے۔

غرضیکہ ہر بدکردار شخص اپنی بدکرداریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے صحابہ کی عظمت کا ڈنکا بجاتا ہے کیونکہ ہر صحابی باستثنائے چند کسی نہ کسی گھناؤنے الزام میں ملوث ہے

---

[1] شاہی مسجد لاہور کے موجودہ خطیب مولوی عبدالقادر آزاد کو بچپن سے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ "پھراہٹ" گوت سے تعلق رکھتے ہیں جو گانے بجانے کا دھندہ کرتے ہیں لیکن اب یہ صاحب بڑے دھڑلے کیساتھ خود کو سید کہلواتے ہیں اور ریڈیو پاکستان سے ان کے نام کے ساتھ سید کا سابقہ لگتا ہے۔

اور مثل مشہور ہے مرگ انبوہ جشنے وارد۔

اگر کبھی اسلام کے نظامِ زندگی کی بات کی جائے اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل کو بطور نمونہ پیش کیا جائے کہ حضورؐ نے سرمایہ دارانہ طرزِ حیات کو ناپسند فرمایا ہے حضورؐ نے ارتکازِ دولت اور اکتنازِ دولت CONCENTRATION OF MONEY) کی ممانعت فرمائی ہے اور ضرورت سے زائد دولت کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور خود عمر بھر نہ پیسہ جمع کیا نہ سرمایہ دارانہ طور طریق اپنایا بلکہ سادگی اور کفایت شعاری کو اپنایا تو صحابہ کے یہ نام نہاد نام لیوا کبھی عبدالرحمٰن بن عوف کے کروڑ پتی ہونے کا ذکر کرتے ہیں کبھی عثمان بن عفان کے بہت بڑے سرمایہ دار ہونے کا حوالہ دیتے ہیں کبھی کسی صحابی کی عیاشیوں اور اللوں تللوں کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں اور اس طرح حضورؐ کے مشن اور آپؐ کے مقصدِ بعثت کو سبوتاژ کرنے کی سعیِ ناپاک کرتے ہیں حالانکہ دین میں حجت اور سند محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور انہی کا عمل اسوۂ حسنہ اور نمونہ ہے کسی دوسرے کا خواہ وہ صحابی ہو یا کوئی اور دین کے باب میں کوئی عمل حجت نہیں بن سکتا لیکن ان بدنہاد لوگوں نے عظمتِ صحابہ اور فضیلتِ صحابہ کے خود ساختہ تصور کے تحت صحابہؓ کو حضورِ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل لا کھڑا کیا ہے اور انہیں محض اس بنا پر معیارِ حق کہنا شروع کیا ہے تاکہ حضورؐ کا معیارِ حق ہونا مشکوک ٹھہرے اور بحیثیت پیغمبرِ آخر الزماں حضورؐ کی حیثیت مجروح قرار دے دی جائے تاکہ ہر شخص من مانی کر سکے چونکہ اہلِ بیتِ نبوت "صحابہ کے ان نام لیواؤں کی راہ میں اور ان کی مذموم خواہشات کی تکمیل میں سنگِ گراں ہیں اس لیے حضورؐ کے ساتھ ساتھ ان کے اہلِ بیت کی عظمت کو بھی

بطور خاص نشانہ بنایا جا رہا ہے کیونکہ اہل بیت کا ہمیشہ یہ سلوک رہا ہے کہ "حلال محمدؐ حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ" (محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حلال کی ہوئی چیزیں قیامت تک حلال رہیں گی اور حضورؐ کی حرام کی ہوئی چیزیں قیامت تک حرام رہیں گی۔"

صحابہ کے ایک ایک فرد کو مقتدا اور پیشوا بنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنی غلط کاریوں پر پردہ ڈالا جائے اپنی اسلام دشمنی کو صحابیت کے خوش نما لبادے میں چھپایا جائے اور اسلام میں اباحیت و الحاد کی دروازہ کھولا جائے۔

بریلوی مکتب کی مشہور درسگاہ حزب الاحناف لاہور کے مہتمم مولوی محمود احمد رضوی نے "الصحابۃ کلہم عدول (تمام صحابہ صفت عدل سے متصف ہیں) کے سُنّی عقیدہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "عدالت سے مراد وہی وصف عدالت مراد ہے جو روایت حدیث میں معتبر ہے یعنی عدالت اس کیفیت راسخہ در نفس کا نام ہے جو ملازمت تقوٰی و استعمال مروۃ پر آدمی کو آمادہ رکھے اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابی رسولؐ عادل ہیں"۔

(مکالمہ رضوی گوجروی ص۹ مطبوعہ مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور)

ملازمتِ تقوٰی اور استعمال مروت کا نام اگر عدل ہے تو ان دونوں صفات سے یکسر محروم طبقہ اگر کوئی ہے تو رضوی صاحب کا یہی ممدوح طبقہ ہے جو لوگ پیغمبرؐ کی اولاد کے ساتھ مروت نہ کر سکے اور جن لوگوں نے خوفِ خدا سے بیگانہ وار ہو کر اہل حق کو ان کے حق سے محروم کر دیا وہ کیسے متقی اور کتنے بامروت ہوں گے کیا پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عدالت صحابہ کا یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کتب حدیث میں اس مضمون کی متعدد حدیثیں منقول ہیں کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ بخاری میں جسے اہل سنت اللہ کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتاب قرار دیتے ہیں اس کی چند روایتیں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ یرد علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلئون علی الحوض فاقول یارب اصحابی فیقال انہ لا علم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی۔ (بخاری کتاب الرقاق)

"قیامت کے روز میرے صحابہ کا ایک گروہ مجھ تک پہنچے گا تو انہیں حوض کوثر سے دور ہٹا دیا جائے گا میں عرض کروں گا۔ خدایا یہ میرے صحابی ہیں تب مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو علم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا گل کھلائے ہیں۔ یہ مرتد ہو گئے تھے چنانچہ میں کہوں گا تباہی اور بربادی ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد اپنی روش تبدیل کر لی۔

۲۔ یجاء برجال من امتی فیوخذ بہم ذات الشمال فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیہم شھیدا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ (بخاری ص۶۶۵)

میری امت کے بہت سے لوگوں کو لایا جائے گا اور انہیں بائیں جانب یعنی جہنم کی سمت دھکیل دیا جائے گا میں کہوں گا خدایا یہ تو میرے بہت قریبی صحابی ہیں جواب میں مجھ سے کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کرتوت کئے ہیں۔

یہ سُن کر میں وہی بات کہوں گا جو خدا کے ایک نیک بندے حضرت عیسیٰؑ نے کہی تھی کہ "میں جب تک ان کے درمیان رہا ان کا نگران رہ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

(۳) انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الی رجال منکم حتی اذا اھویت لانا ولھم اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک۔ (میں حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے میں جب انہیں پاس لانا چاہوں گا تو انہیں مجھ سے دُور دھکیل دیا جائے گا یہ دیکھ کر میں کہوں گا اے پروردگار یہ تو میرے صحابی ہیں حق تعالےٰ فرمائے گا تم نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا حرکتیں کی ہیں۔

اس مضمون کی اگرچہ اور بہت سی دوسری حدیثیں بھی ہیں جو صحاح ستہ میں مذکور ہیں مگر ہم نے صرف ان تین روایتیں پر اکتفا کیا ہے ان سے اندازہ کرلیں کہ عدالت صحابہ کا جو ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک صحابہ کی وہ حیثیت ہرگز نہیں جو مسلمانوں نے اپنے ذہنوں میں ان کے لیے وضع کر رکھی ہے۔ یہ سراسر خود ساختہ اور فرضی عظمت کا ایک ڈھونگ ہے جسے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لیے رچایا گیا ہے۔

یہاں اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیئے کہ صحابی کا جو مفہوم آج اصطلاحی طور پر مسلمانوں میں رائج ہے وہ بہت بعد کی ایجاد بندہ ہے حضورؐ کے نزدیک صحابی سے اس کے لغوی معنی ہی مراد ہیں اور صحابی جو صاحب کی بگڑی ہوئی شکل ہے ایسے

دوست کو کہتے ہیں جو شب و روز کا ساتھی ہو اور بخاری کی روایتوں میں بعض جگہ "اصیحابی" آیا ہے جس کے معنی بہت عزیز اور پیارے صحابہ کے ہیں جب ایسے بہت عزیز صحابی بھی جہنم کا ایندھن بن جائیں گے تو عام صحابہ کی تو حقیقت ہی کیا ہے اور اصطلاحی صحابہ کی بھلا کیا اوقات ہے لیکن صدیوں سے صحابہ کا کابوس لوگوں کے سینوں پر سوار ہے اور وہ انہیں ملائکہ اور انبیاء کی طرح معصوم بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

سو آجکل اور اس سے پہلے کے ادوار میں بھی جن لوگوں نے فضیلت صحابہ کا خود ساختہ اور فرضی تصور پیش کیا ہے اسلام میں اس کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں ہے اور یہ ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو اپنے ناپاک مقاصد کے لیے تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام میں چور دروازے پیدا کر کے اسلام کو موم کی ناک بنا دینا چاہتے ہیں کہ اسے جدھر چاہا موڑ لیا۔

صحابی پیغمبرؐ سے بھی افضل ہیں - اہل سنت کا عقیدہ

چنانچہ صحابہ کے مقابلے میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ حیثیت کو مجروح اور کم تر کرنے کی شعوری کوشش قرن اول ہی میں شروع ہو چکی تھیں ہم یہاں بخاری اور مسلم کی ایک روایت پیش کرتے ہیں ہمارے "نیک نام" راوی ابوہریرہ کہتے ہیں صلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلوٰۃ فقال ان الشیطان عرض لی فشد علی یقطع الصلوٰۃ علی فامکننی اللہ منہ فذعتہ (بخاری ج اکتاب الصلوٰۃ و مسلم ج ا ص ۲۰۴) حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا شیطان میرے آڑے آ گیا تھا اور اس نے میری نماز توڑنے کی بڑی کوشش

کی لیکن اللہ تعالےٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے اسے پرے دھکیل دیا۔

اب بخاری ہی کی ایک اور روایت سنیئے جس میں یہ دون کی لی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس قریش کی کچھ عورتیں بیٹھی بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں کہ اتنے میں عمر ابن خطاب آ گئے وہ عورتیں بھاگ کر پردہ کے پیچھے چلی گئیں اس پر حضورؐ ہنس پڑے عمر ابن خطاب نے کہا یا رسولؐ اللہ اللہ آپؐ کو خوش رکھے فرمایا مجھے تعجب ہے ان عورتوں پر کہ تمہاری آواز سن کر فوراً چھپ گئیں عمر ابن خطاب نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ انہیں آپؐ سے ڈرنا چاہیئے تھا پھر عمر ابن خطاب نے ان عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا اے اپنی جان کی دشمن عورتو! مجھ سے ڈرتی ہو اور حضورؐ سے نہیں ڈرتیں عورتوں نے کہا ہاں کیونکہ تم حضورؐ کے مقابلہ میں بہت سنگدل اور بداخلاق ہو اس پر حضورؐ نے فرمایا اللہ کی قسم اے عمر شیطان تمہیں جس راستہ پر چلتا ہوا دیکھ لے وہ فوراً اپنا راستہ تبدیل کر لیتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کا تقابلی جائزہ لیجیئے اور سوچیئے کہ ایک طرف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی ہے کہ نماز کے دوران بھی شیطان ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور دوسری طرف عمر ابن خطاب کی شخصیت ہے جسے دور سے دیکھ کر شیطان بھاگ جاتا ہے۔

بخاری ایک بدنہاد محدّث

یہ بخاری ہے جسے صحیح بخاری کہا جاتا ہے اور جس کی کتاب کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" (اللہ کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتاب) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس میں ایسی بیسیوں روایتیں مذکور ہیں جن سے پیغمبرانہ عظمت مجروح ہوتی ہے اس پر بھی

اسے "امام بخاری" کے بجاری بھرکم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ وہی بخاری ہے جس نے اپنی کتاب میں سیدنا علیؓ پر علانیہ سب و شتم کرنے والے لوگوں کی روایتیں تو بلا تکلف قبول کرلی ہیں اور اہل بیت نبوتؐ کی کسی روایت کو رطب و یابس کے اس مجموعہ میں شامل نہیں کیا۔

آخر یہ کہاں کی دیانت و شرافت اور یہ کیسی دین داری اور تقویٰ شعاری ہے کہ بخاری عمرانؔ بن حطان جیسے ملعون اور خبیث الفطرت خارجی کی روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہوئے ذرہ بھر نہیں ہچکچاتا اور یہ عمران بن حطان وہی شخص ہے جس نے سیدنا علی علیہ السلام کے قاتل عبدالرحمان ابن ملجم کی تعریف اپنے اشعار میں کی تھی اور اسے اس کے اس فعلِ بد پر داد دی تھی بخاری کے راویوں میں مروان کا نام بھی ملتا ہے اور حریزؔ بن عثمان کا بھی جس کا معمول یہ تھا کہ مسجد سے اس وقت تک نہیں نکلتا تھا جبتک ستر مرتبہ حضرت علیؓ پر "عیاذاً باللہ" لعنت نہیں بھیج لیتا تھا بخاری کے ان راویوں میں ایک نام اسحاق بن سوید العدوی البصری کا بھی ہے جو علانیہ حضرت علیؓ پر لعن طعن کرتا تھا ایک اور نام عبدالرحمن بن ابراہیم کا ہے جو دحیم شامی کے عرف سے معروف تھا اور جو یہ کہتا تھا کہ "جو شخص یہ کہتا ہے کہ معاویہ کی فوج باغی فوج تھی وہ حرامی ہے" اس نام نہاد امام بخاری نے اس ملعون کی روایت بھی قبول کی ہے اور اسے اپنی "صحیح" میں جگہ دی ہے اسی طرح زیاد بھی بخاری کا راوی ہے اور اگر روایت قبول نہیں کی تو حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس لیے کہ وہ بخاری کے مقرر کردہ معیار صداقت پر پورے نہیں اترتے اور بخاری کا معیار روایت کیا ہے اس کی اوقات خود اسی کے مداحوں سے سن لیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں بخاری کا یہ قول

نقل کیا ہے کہ رُبّ حدیث سمعتہ بالبصرۃ کتبتہ بالشام ورب حدیث سمعتہ بالشام کتبتہ بمصر (ابن حجر اسقلانی شرح بخاری) (بہت سی حدیثیں ہیں نے بصرہ میں سنیں اور شام میں جا کر لکھیں اور شام میں بہت سی حدیثیں سُنی جنہیں مصر جا کر لکھا)۔ واقعہ یہ ہے کہ جتنا نقصان اسلام کو بخاری کے اس مجموعہ حدیث نے پہنچایا ہے اور نبی آخر الزمان محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت جتنی اس کتاب سے مجروح ہوئی ہے شاید ہی کسی اور کتاب سے ہوئی ہو راقم الحروف نے رسوائے زمانہ کتاب "ستیہ ارتھ پرکاش" کا چودھواں باب بالاستیعاب پڑھا ہے جسے پڑھ کر ایک مسلمان کا خون کھول جاتا ہے اس کے کم و بیش سارے حوالے بخاری کی اسی نام نہاد "صحیح" سے لئے گئے ہیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عشق کا دعویٰ کیا جاتا ہے دوسری طرف ایسی تحریروں کو عقیدۃ و ایمان قرار دیا جا رہا ہے جن سے صراحتاً حضورؐ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں پر ایسی غفلت و مدہوشی طاری ہے کہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سے عاری ہو چکے ہیں مثلاً اردو کے مشہور روزنامہ نوائے وقت لاہور کے شمارہ ۹ جون ۱۹۷۷ء میں یہ عبادت پڑھ کر حیرت ہوئی کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں کیا غلاظت بھری جا رہی ہے اور انہیں کس طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ عبارت یہ تھی کہ :

"ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کا وجود نہ ہوتا تو تاریخ اسلام کا دھارا کسی اور ہی طرف مڑا ہوتا"

گویا اسلام حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبانہ روز جدوجہد کا رہین منت

تھیں بلکہ ابوبکر نے اسے غلط راستہ پر جانے سے روکا ورنہ اگر ابوبکر نہ ہوتے تو اسلام کا تو "بولو رام" ہو چکا ہوتا۔

یہ بھی بالکل اس نوع کی بات ہے جیسی کہ تمام کتب حدیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلیفہ دوم عمر ابن خطاب کے درمیان بعض دینی امور پر اختلاف رائے ہو گیا اور حق تعالے نے حضورؐ کے مقابلہ میں عمر ابن خطاب کی رائے کو ترجیح دی اور وحی الہی نے عمر ابن خطاب کے فیصلہ کی توثیق کر دی یعنی پیغمبرؐ تو محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آسمانی فیصلے ان کے صحابہ کی منشا کے مطابق کئے جا رہے ہیں۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

حرامیوں کی پہچان

عرصہ گذرا کسی کتاب میں عربی کے یہ دو شعر نظر سے گذرے تھے۔

قسما ببکۃ والحطیم و زمزم
والراقصات و سعیھن الی منیٰ
بغض الوصی علامۃ مکتوبۃ
کتبت علی جبھات اولاد الزنا

سر زمین حرم مکہ کی قسم، مقام حطیم اور آب زمزم کی سوگند، تیز رو گھوڑوں کی اور ان کی تیز رفتاری کی قسم جب وہ منیٰ کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں۔

وصی رسولؐ یعنی سیدنا علی ابن ابیطالبؑ سے دل میں بغض رکھنا حرامی بچہ ہونے کی واضح نشانی ہے جو اولاد زنا کی پیشانیوں پر ثبت ہو کر رہ گئی ہے۔

میں اسے شاعرانہ نکتہ آفرینی سمجھتا رہا لیکن اہل سنت کے مشہور محدث محب الدین طبری نے اپنی مشہور و مستند کتاب "الریاض النضرہ" میں جناب ابوبکر خلیفہ اول کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے اس مضمون کی تصدیق ہو گئی عن ابی بکر الصدیق قال رأیت رسول اللہ خیم خیمۃ وھو متکئ علی قوس عربیۃ وفی الخیمۃ علی وفاطمۃ والحسن والحسین فقال معشر المسلمین انا سلم لمن سالم اھل الخیمۃ حرب لمن حاربھم ولی لمن والاھم لا یحبھم الا سعید الجد طیب المولد ولا یبغضھم الا شقی الجد ردی المولد (ابوبکر روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیمہ میں دیکھا آپ ایک عربی کمان کا سہارا لئے ہوئے تھے اس خیمہ میں حضرت علیؑ بھی تے حضرت سیدہ فاطمہؑ بھی تھیں اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرات حسنؑ و حسینؑ بھی اس موقعہ پر حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے مسلمانوں کے گروہ! میری صلح ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ان اہل خیمہ کے ساتھ صلح و محبت کیساتھ رہیں اور میں سراپا جنگ ہوں ان لوگوں کے خلاف جو اہل خیمہ کیساتھ برسرپیکار ہوئیں ہوں میں دوست ہوں ان کا جو ان کے ساتھ دوستی رکھیں ان لوگوں کے ساتھ وہی شخص محبت کرے گا جو نیک بخت اور پاکیزہ نسب والا ہو گا اور ان سے وہی شخص بغض رکھے گا جو بدبخت اور بدنسب ہو گا۔ (ج ۲ ص ۱۸۹)

عرب روایات میں نسب کو بڑی اہمیت حاصل کی ہاور نسب کی چھان بین بڑی تحقیق کے ساتھ کیجاتی تھی سیدنا علی علیہ السلام کے سب سے بڑے حریف معاویہ بن ابی سفیان کی ماں ہندہ کے بارے میں اور خود معاویہ کے بارے میں کتب تاریخ میں

مذکور ہے کہ و کانت ھند تذکر فی مکۃ بفجور و عھد وقال زمخشری فی کتاب ربیع الابرار کان معاویہ یعزی الی اربعۃ الی مسافر ابن ابی عمرو وابی عمارۃ بن الولید بن المغیرۃ والی العباس والی الصباح -

(شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۶۳)

مکہ میں ابوسفیان کی بیوی اور معاویہ کی ماں ہندہ ناکاری اور بدکرداری کا چرچا عام تھا۔ زمخشری علامہ جار اللہ صاحب تفسیر کشاف نے اپنی کتاب "ربیع الابرار" میں ذکر کیا ہے کہ معاویہ کا نطفہ چار آدمیوں کی جانب منسوب کیا جاتا تھا مسافر ابن ابی عمرو۔ عمارہ بن ولید بن مغیرہ۔ عباس اور صباح نامی شخص۔

سیدنا علیؑ کا دوسرا بڑا حریف عمرو بن العاص تھا۔ اس شخص کی ماں نابغہ کے نام سے معروف تھی۔ اصل نام اس کا لیلیٰ غزیہ تھا۔ ایک مرتبہ اروی بنت حارث نے عمرو بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا وانت یا ابن النابغۃ تتکلم وامک کانت اشھر امراۃ تغنی بمکۃ وآخذ من اجرۃ ادعی خمسۃ نفر من قریش فسئلت امک عنھم فقالت کلھم اتانی فانظروا اشبھھم بہ فالحقوہ بہ فغلب علیک شبہ العاص بن وائل فلحقت بہ (عقد الفرید ج ۱ ص ۲۲) (اروی بن حارث نے عمرو بن عاص سے کہا کہ نابغہ کے بیٹے کیا بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہا ہے تیری ماں مکہ کی مشہور گانے بجانے والی عورت تھی اور باقاعدہ اس کی اُجرت وصول کرتی تھی قریش کے پانچ آدمیوں نے تیرے بارے میں بیک وقت یہ دعویٰ کیا کہ تو ان کا نطفہ ہے تیری ماں سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے تصدیق کی کہ ہاں ان پانچوں نے مجھ سے زنا کیا ہے لیکن لڑکے کا چہرہ

دیکھ کر طے کر لو کر کس پر اُس کی شکل گئی ہے جس سے اسکی مشابہت ہو اسی کا اس کو بیٹا قرار دے دو چنانچہ تمہاری شکل عاص بن وائل سے ملتی جلتی تھی اس لیے تمہیں اس کا بیٹا قرار دے دیا گیا۔ یہ پانچ آدمی جن سے بدکاری کا عمرؓ و بن العاص کی ماں نے خود اعتراف کیا حسب ذیل تھے۔ عاصؓ بن وائل۔ ابولہبؓ۔ امیہؓ بن خلف۔ ہشامؓ بن مغیرہ اور ابوسفیانؓ بن حرب۔ زیادؓ بن ابیہ کے حرام زادہ ہونے پر تو ساری امت کا اتفاق ہے اور معاویہؓ نے اس حرامی بچے کو اپنا حقیقی بھائی قرار دے کر اپنے اور اس کے نسب کے مشکوک ہونے کا خود ہی اقرار کر لیا کہ اول بہ آخر نسبتے دارد۔

اس زیادؓ کا لڑکا عبداللہ ابن زیادؓ تھا جس نے یزیدؓ پلید کے ایماء پر حضرت سیدنا حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت اور ان کے انصار و اعوان کو دشت کربلا میں شہید کیا۔ اور تو اور خلیفہ دوم کے بارے میں بھی نسابین نے انہی شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے اور ان کے نسب کی صحت کو متہم قرار دیا ہے مگر ہم یہاں اسکی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے کیونکہ ہمارا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی رو سے ہر وہ شخص جس کے دل میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنؓ و حسینؓ کے لیے بغض و کینہ کے جذبات پنہاں ہوں اس کا نسب مشکوک اور اس کا حسب ملعون قرار پاتا ہے۔

میرے برادر نسبتی سید ابو ذر بخاری جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بڑے فرزند ہیں۔ انہوں نے جب یوم معاویہؓ اور یوم مرؓوان منانے کا ہر سال اہتمام کیا تو میں نے گھر میں کہا کہ میں یہ بات حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ عطاء اللہ شاہ بخاری خانوادۂ سادات میں سے نہیں ہے کیونکہ کوئی صحیح النسب سید معاویہؓ و مروانؓ کی تعریف میں رطب اللسان

نہیں ہو سکتا خاندانی غیرت وحمیت ایک بالکل فطری اور طبعی تقاضہ ہے اور جو اپنے جد اعلیٰ کے حریفاں روسیاہ کی منقبت سرائی کرے اسے بدنسب اور بدگوہر ہی کہا جائیگا۔ اسی بناء پر شیخ عبدالقادر جیلانی جن کا مزار بغداد میں ہے اہل تحقیق کے نزدیک سادات میں سے نہیں ہیں کیونکہ انہی کا ایک مرید خاص اور خصوصی تربیت یافتہ خلیفہ شیخ عدیؒ بن مسافر (متوفی ۵۵۲ھ ۱۳۱۰ء) جو اموی خاندان سے تعلق رکھتا تھا یزید اور معاویہ کے فضائل ومناقب کی خصوصی مجالس منعقد کرتا تھا اور اس بدبخت نے یزید کو صحابی وغیرہ کے درجہ تک پہنچانے کے لیے زبردست تحریک شروع کی اور شیخ عبدالقادر جیلانی نے اسے ایک مرتبہ بھی نہیں روکا (اعلام الزرکلی ج ۵ ص۱۱) ۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے ویسے خود بھی سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا یہ تو ان کے پوتے نصر بن ابوبکر بن عبدالقادر جیلانی نے پہلی مرتبہ اپنے سید ہونے کا اعلان کیا اور پھر یہ بات مشہور ہو گئی اور یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے خود ہمارے دور میں بلکہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بعض لوگ سید بن گئے اور اب ان کے سید ہونے پر کسی کو بھی شک نہیں رہا ہے ۔ ضلع کیمبلپور (اٹک) میں نقشبندی سلسلہ کی ایک مشہور خانقاہ ہے جسے چوہرہ شریف کہتے ہیں بابا نور محمد اور بابا فقیر محمد اس خانقاہ کے بزرگان طریقت تھے ان میں سے کسی نے بھی بلکہ ان کے بعد بھی ان کی اولاد میں سے کسی نے اپنے سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن اس خاندان کے ایک چلتے پرزے شخص نے اپنے نام کے ساتھ سید اور شاہ کے الفاظ استعمال کرنے شروع کیے اور اب اسی مرد کم سواد کے سلسلہ میں ایک اشتہار نظر سے گزرا جس میں سالانہ عرس کی

خبر دی گئی تھی اور اس کا عنوان تھا۔

"عالی جناب، سپہر رکاب، صاحب خلق حسن، مظہر فیض اتم فخر السالکین عمدۃ العارفین تاج دار اقلیم علم و حلم الحاج ابوالکلیم صاحبزادہ سید محمد خادم حسین شاہ صاحب مدظلہٗ العالی نقشبندی مجددی نوری زیب سجادہ درگاہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ چورہ شریف"

عرس کا یہ اشتہار ۲ ۳ اپریل ۱۹۷۷ء مطابق ۲۰-۲۱ رچیت کی بابت ہے اور اسے ناظم جماعت نقشبندیہ مجددیہ نوریہ لائلپور نے شائع کیا ہے۔

اگر ارتقاء و تہذیب کے اس ترقی یافتہ دور میں "دروغ گویم بر روئی تو" یہ واردات روز روشن میں ہو سکتی ہے تو آج سے سات آٹھ سو برس قبل کے دور میں جبکہ نہ ذرائع مواصلات تھے نہ ابلاغ عامہ کے اتنے وسائل کسی شخص کا اپنے نسب میں تبدیلی کر لینا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔ اور یہ تو صرف ایک مثال پیش کی ہے ایسے بیشمار واقعات راقم الحروف کے علم میں ہیں جنہیں آئندہ کسی کتاب میں تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ ویسے اس سے پہلے مجلس تحفظ حقوق اہل سنت کے جنرل سیکرٹری عبدالمجید ندیم نامی ایک مولوی کا ذکر ہم کر چکے جو دیکھتے دیکھتے آنکھوں کھٹیک سے سید بن گیا اور ابھی تک بنا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے بد اصل لوگوں سے توقع رکھنا کہ وہ خانوادۂ نبوت و رسالت سے کوئی جذباتی وابستگی رکھیں گے اور ان میں خاندانی غیرت و حمیت کا کوئی شائبہ ہو گا ایک عبث اور بیکار توقع ہے۔ ورنہ کیا یہ حیرت و استعجاب کی بات نہیں کہ دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ذکر حسینؑ اور

ذکرِ اہلِ بیتؑ اور مصائبِ خانوادۂ نبوتؐ پر اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکتے اور گریہ و بکا اور ماتم عزا کے ذریعے اپنے جذباتِ محبت و غم کا برملا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کا کوئی خاندانی اور نسبی تعلق اہلِ بیتؑ سے نہیں ہے لیکن اس کے برعکس خود کو ہاشمی اور قبیلہ سادات سے متعلق کہنے کے باوجود ایسے بدبخت غدار بھی ہیں جو معاویہ اور اس کی ذریت کی مدحت سرائی میں شب و روز معروف ہیں عبداللہ ابن زبیر کے بارے میں عمر ابن شبۃ ابن کلبی واقدی اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں اس شخص نے دعوائے خلافت کیا اور یہ کل مدت دس ماہ کے لگ بھگ ہے پورے چالیس جمعہ تک اس شخص نے کسی جمعہ میں بھی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام نہیں پڑھی اور جب اس سلسلہ میں اس سے استفسار کیا گیا تو اس نے کہا لا یمنعنی من ذکرہ الا ان تشمخ رجال بآنافہا۔ (مجھے پیغمبرؐ کے ذکر سے جو چیز مانع ہے وہ یہ ہے کہ اس ذکر سے ان لوگوں کی ناک اونچی ہو جاتی ہے اس کا اشارہ خاندانِ نبوتؐ کی جانب تھا۔

شاید یہ اسی کا اثر ہے کہ اہلِ سنت کے ہاں صلوٰۃ و سلام میں اہلبیتؑ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کا ذکر سرے سے غائب ہوتا ہے کسی بھی مستند کتاب میں صلے اللہ علیہ وسلم کی بجائے صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا درود و سلام میں سے آلِ پیغمبرؐ کا تذکرہ حذف کر دینا سوائے بدبختی اور فرومائگی کے اور کیا ہے لیکن پچھلے چودہ سو برس سے یہ معمول سوادِ اعظم نے اختیار کر رکھا ہے اور اس پر بھی محبتِ رسولؐ کی اجارہ داری اسی گروہ کے پاس ہے۔

بس جب تک فقہ جعفریہ کے مطابق نماز کی کیفیت سے واقف نہیں ہوا تھا یہ سمجھتا تھا کہ نماز کی یہ صورت مالکیہ سے ملتی جلتی ہے ان کے ہاں بھی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جاتی ہے اور تکبیرات میں رفع یدین بھی بہت سے ائمہ کے مسلک میں متداول ہے لیکن جب اس نماز کی جو شیعیان علیؑ کا معمول ہے اصل حقیقت سے مجھے آگاہی ہوئی کہ وہ ہر رکن میں محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں تو دل پر وجد انگیز نماز کی کیفیت طاری ہو گئی اور میں نے نماز کے اس طریقہ کو اپنا معمول بنا لیا جو فقہ جعفریہ کا طریقہ ہے رکوع میں سجدہ میں قعدہ میں صلوٰۃ پر محمدؐ و آل محمدؐ کا یہ التزام و اہتمام انہی لوگوں کا مقدر ہے جن کے دل اللہ رب العزت نے محبت پیغمبرؐ و آل پیغمبرؐ سے سرشار کر دیئے ہوں مجھے علم ہے مسلمانوں کے سواد اعظم میں اور اہل سنت و الجماعت میں ایسے بد نہاد لوگ بھی گذرے ہیں اور ہیں جن کے خیال میں نماز میں حضورؐ کا تصور آ جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اس گروہ کی خوش بختی کا کیا ٹھکانہ جنہوں نے پیغمبرؐ اور آل پیغمبرؐ کے تذکرے کو ورد دل و زباں بنا لیا ہے اور محبت کی معراج یہی ہے کہ ع بنا لیا ہے ترے غم کو جاوداں میں نے"

شیعی مکتب فکر اور فقہ جعفریہ کے خلاف پروپیگنڈہ کا ایک طوفان بدتمیزی ایک عرصہ سے بپا ہے لیکن اب سوچتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کے ۷۲ بہتر فرقوں میں سے جس ایک فرقہ کے ناجی ہونے کا یقین دلایا ہے وہی فرقہ شیعان علیؑ ہیں کہ انہوں نے اپنا مرکز محبت صرف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپؐ کی ذریت طیبہ کو بنایا ہے ورنہ سواد اعظم کی کم سوادی کا تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے ایک پارچہ باف کو امام اعظم بنا لیا ہے حالانکہ امامت عظمیٰ کی خوش نصیبی اگر کسی کی

قامت موزوں پر راست آسکتی تھی تو وہ سیدنا علیؑ کی ذات گرامی تھی یا پھر شہید گل گوں قبا سیدنا حسین علیہ السلام اور ان کی آل اطہار کے لیے لقب موزوں تھا۔ لیکن زمانہ کی ستم ظریفی اور وقت کی کج ادائی دیکھیئے کہ ہندوؤں کے ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی امامت بازاری جنس بن کر رہ گئی اور بلا شبہ ہزاروں کی تعداد میں ان کے ہاں امام ملتے ہیں جنس امامت کی یہ ارزانی خود اس گروہ کی فرومائیگی پر دلالت کرتی ہے ان میں کوئی یہودی الاصل ہے جیسے بخاری کوئی عجمی نژاد ہے جیسے ابو حنیفہ کوئی مجہول النسب ہے جیسے ابن تیمیہ جس نے کہا تھا کہ "عصای خیر من محمد تنفع ولا ینفع۔ (میری چھڑی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر ہے کہ یہ فائدہ تو دیتی ہے لیکن محمدؐ سے کوئی فائدہ اور نفع نہیں مل سکتا) ان میں کوئی ایران کا ہے تو کوئی توران کا کوئی ہندوستان کا ہے تو کوئی ترکستان کا خانوادہ امامت تو صرف اور صرف خانوادۂ نبوت ہی کا شرف و امتیاز تھا جس پر غیروں نے ہاتھ صاف کر دیا۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

اور اس کوشش مذموم کا سہرا معاویہ کے سر ہے جس نے امام برحق سیدنا علیؑ کے خلاف بلا وجہ محاذ آرائی کی پالیسی اختیار کی مجھے یہاں معاویہ کے بیٹے یزید کے فرزند معاویہ کا وہ خطبہ یاد آیا جس میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ سیدنا علیؑ سے معاویہ کا برسر پیکار ہونا ایک غلط اور بیہودہ حرکت تھی اس نے کہا تھا اور یہ خطبہ اس موقعہ کا ہے جب یزید ملعون کے مرنے کے بعد حکومت کا تاج اس

کے سر پر رکھا گیا۔

ایھا الناس ضعفت عن امرکم فاختاروا من احببتم ایھا الناس ان جدی معاویۃ نازع الامر اھلہ ومن ھو احق بہ منہ لقرابتہ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو علی ابن ابی طالب ورکب بکم ما تعلمون حتی اتتہ منیتہ فصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ واسیر الخطایاہ ثم قلد ابی الامر فکان غیر اھل لذلک ورکب ھواہ واخلفہ الامل وقصر عنہ الاجل وصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ و اسیرا بجرمہ ثم بکی حتی جرت دموعہ علی خدیہ ثم قال ان من اعظم الامور علینا علمنا بسوء مصرعہ وبئس منقلبہ وقد قتل عترۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واباح الحرم وخرب الکعبۃ وما انا بالمتقلد ولا بالمتحمل بتعاتکم فشانکم امرکم واللہ لئن کانت الدنیا خیرا فقد نلنا منھا حظا ولئن کانت شرا فکفی ذریۃ ابی سفیان ما اصابوا منھا ۔ (النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ تالیف جمال الدین ابی المحاسن یوسف بن تغری)

"لوگو! میں اس کار حکومت کا بار اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا اس لیے تم اپنا کوئی ایسا امیر چن لو جو تمہیں پسند ہو۔ لوگو! میرے دادا معاویہؓ نے حکومت کے سلسلہ میں اس شخصیت سے لڑائی جھگڑا کیا جو اس منصب کے لیے سب سے زیادہ مستحق شخصیت تھی کیونکہ اس شخصیت کو حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے قرابت کا تعلق تھا اور وہ شخصیت علیؓ ابن ابی طالبؓ کی تھی۔ معاویہؓ نے تمہیں جس روش پر چلایا تم اس سے بخوبی آگاہ ہو بالآخر موت نے اسے آلیا اور

آج وہ اپنی قبر میں اپنے جرموں اور گناہوں کی سزا بھگت رہا ہے اس کے بعد میرے باپ نے اقتدار پر قبضہ کیا وہ اس منصب کا بالکل اہل نہ تھا وہ اپنی خواہشات کا غلام بنا رہا اس کی خواہشات نفسانی نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا بالآخر اس کو بھی زیادہ مہلت نہ ملی اور آج وہ بھی اپنی قبر میں اپنے گناہوں اور اپنی غلط کاریوں کی سزا پا رہا ہے۔ سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ ہمیں اس کے بارے میں بخوبی علم ہے کہ اس کا انجام نہایت برا اور اس کی عاقبت نہایت خراب ہوئی ہے کیونکہ یہ وہی شخص تھا جس نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو شہید کروایا۔ حرم کی بے آبروئی کی کعبۃ اللہ کو اجاڑا سو میں ان حالات میں اس کام کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوں اور نہ تمہاری حکمرانی کا متحمل ہو سکتا ہوں اس لیے تم اپنے لیے کوئی دوسرا آدمی ڈھونڈھو اللہ کی قسم اگر دنیا کی اس چار روزہ حکومت پر خیر کا کوئی پہلو تھا تو اس سے ہم نے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے اور اگر اس میں شر کا عنصر غالب تھا تو ابو سفیانؓ کی اولاد کو اس شر میں سے جو کچھ حاصل ہو گیا ہے وہی اس کی بدبختی کے لیے کافی ہے۔"

مثل مشہور ہے کہ "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" تو معاویہؓ کے پوتے اور یزید کے بیٹے کی اس شہادت کے بعد جو لوگ معاویہؓ کے فضائل و مناقب پر طبع آزمائی کرتے اور کتابیں لکھتے ہیں انہیں شرم آنی چاہیئے کہ وہ تاریخ کے اس اٹل فیصلہ کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں جو معاویہؓ اور اس کے خاندان کی شقاوت اور بدبختی کے بارے میں صادر ہو چکا ہے۔

آج بعض بد نہاد لوگ شیعان علیؑ کو تبرائی کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی سوچا کہ تبرائی رسم بد کا آغاز تو معاویہؓ نے کیا تھا اور تاریخ

کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ معاویہ نے اپنے دور کے خود فروش ملاؤں اور اپنے بے ضمیر گورنروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام پر زبان طعن دراز کریں۔ چنانچہ اس دور کے خطیبان بدنہاد اور حکومت وقت کے وفاداران زماد' یہ سیدنا علیؑ پر علانیہ سب و شتم کرتے رہے تبرائی کہلانے کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جو معاویہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی منقبت سرائی کرتے ہیں مشہور صحابی رسولؐ حضرت حجرؓ بن عدی کو اس بدبخت اور بدنہاد شخص نے محض اس جرم کی پاداش میں قتل کروا دیا اور اس بھیانک طریقہ پر کہ انسانیت آج تک اس پر لرزہ براندام ہے کہ انہوں نے سیدنا علیؑ پر سب و شتم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا۔ ان الصبر علی حد السیف لا یسر علینا مما تدعونا الیہ ثم القدوم علی اللہ وعلی نبیہ وعلی وصیہ احب الینا من دخول النار تلوار کے وار کو برداشت کرنا میرے لیے زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس جرم کے ارتکاب کے جس کا تم مجھ سے تقاضا کر رہے ہو۔ اور آخر کار تو اللہ اور اس کے رسول اور پیغمبر کے وصی علی ابن ابی طالبؑ کے حضور حاضر ہونا ہے اور سرخ روئی کے ساتھ ان کی بارگاہ میں حاضری جہنم میں داخل ہونے سے بہر حال بہتر ہے"

معاویہ بن ابی سفیان

یوں تو اہل بیتؑ کیساتھ دشمنی اور محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بغض و عناد رکھنے کے سلسلہ میں بڑے بڑے "جلیل القدر" صحابہ ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور اس حمام میں بڑے بڑے نامی گرامی ننگے نظر آتے ہیں لیکن دو شخصوں کو اس

میں اولیت کا منفرد شرف و اعزاز حاصل ہے ایک عمر ابن خطاب اور دوسرا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اول الذکر کے بارے میں تو آپ بہت کچھ پڑھ اور سن چکے ہیں معاویہ کے باب میں اگرچہ تفصیلات حد بیان سے باہر ہیں لیکن یہاں ہم صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

زبیر بن بکار "الموفقیات" میں مغیرہؓ بن شعبہ کے لڑکے جس طرف کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مطرف کہتا ہے اپنے باپ (مغیرہؓ بن شعبہ) کے ساتھ میرا معاویہؓ کے ہاں آنا جانا تھا میرا باپ تو معاویہؓ کے ہاں اکثر و بیشتر جاتا رہتا تھا اور اس سے دیر تک گفتگو رہتی تھی میرے والد مجھ سے اکثر معاویہ کی عقل و دانش اور اس کی فہم و فراست کا ذکر کرتے تھے اور اس سے بہت متاثر تھے ایک روز رات کو جب وہ معاویہ سے مل کر آئے تو انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت پریشان اور غمگین ہیں میں نے کچھ دیر تو انتظار کیا کہ شاید وہ خود ہی کچھ کہیں اور جس واقعہ سے وہ ملول ہیں اس کا از خود اظہار فرمائیں آخر میں نے پوچھ ہی لیا کہ میں آپ کو آج پریشان اور غمگین دیکھ رہا ہوں اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس آزردگی خاطر کی کیا وجہ ہے! اس پر میرے والد بولے۔

بیٹے! میں ایک ایسے شخص کے ہاں سے اٹھ کر آیا ہوں جو بدترین کافر اور خبیث ترین انسان ہے!

میں نے پوچھا کیا ہوا؟ مغیرہؓ بن شعبہ بولا۔ رات میں نے تنہائی میں معاویہؓ سے کہا کہ اب تم بوڑھے ہو چکے ہو آخر عمر کے اس موڑ پر عدل و انصاف سے کام لو اور اپنے بھائیوں یعنی قبیلہ بنو ہاشم کے افراد کے ساتھ حسن سلوک کرو اور صلہ رحمی

کا رویہ اختیار کرو تو زیادہ بہتر رہے گا کیونکہ اب ان کے پاس کوئی ایسی طاقت بھی نہیں رہی جس سے تمہیں کسی قسم کا اندیشہ ہو اس لیے اگر تم ان کے معاملہ میں اپنا رویہ تبدیل کر لو تو اس سے تمہیں اجر ملے گا اور تمہاری نیک نامی بھی ہوگی اس پر معاویہ بولا ! افسوس کونسی نیک نامی کی امید مجھے ہو سکتی ہے۔ بنو تیم کے قبیلہ کے ایک فرد یعنی ابوبکر نے حکومت کی اور عدل و انصاف سے حکومت کی لیکن آج مرا کل دوسرا دن اب اس کی یاد بھی باقی نہیں رہی زیادہ کسی نے کہا تو ابوبکر کا نام لیا اور قصہ ختم پھر بنی عدی کے قبیلہ کے ایک شخص یعنی عمر ابن خطاب نے حکومت کی اور کافی کد و کاوش سے دس برس گزار دیئے وہ مرا تو اب اس کا بھی کوئی نام لیوا باقی نہ رہا لیکن ابن ابی کبشہ[1] یعنی حضور سرور کائنات محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا نام دن میں پانچ مرتبہ چیخ چیخ کر لیا جاتا ہے اور اشہد ان محمد رسول اللہ کی آواز اذان کے بلند ہوتی ہے۔ اس صورت میں کس عمل کے باقی رہنے اور کس یاد کے زندہ رہنے کی آرزو کی جا سکتی ہے مغیرہ اب تو صرف موت ہی کا عمل باقی رہ گیا ہے کہ مریں اور مٹی میں مل جائیں۔

---

[1] حضور اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمن توہین و تضحیک کی نیّت سے آپؐ کو اس کنیت سے یاد کرتے تھے اسی سے حضورؐ کے بارے میں معاویہ کے خبث باطن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسے حضورؐ کا نام لینے کی بھی توفیق نہیں ہوئی اور وہ حضورؐ کا ذکر توہین آمیز انداز میں کرتا ہے۔

یہ تھا نظریہ معاویہؔ بن ابی سفیانؔ کا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں جس کو آج بعض بدنہاد لوگ حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں۔ صحابہ کی عظمت کے گُن گانے والے لوگ معاویہؔ کی اس خباثت کا اندازہ کریں کہ اس کا یارِ غار اور اس کا محرم راز مغیرہؔ خود اسکو اکفر اور اخبث (بہت بڑا کافر اور نہایت خبیث) کہہ رہا ہے لیکن ہمارے ہاں اسی اکفر اور اخبث انسان کی یاد میں دن منائے جاتے ہیں اور دن منانے کا یہ سلسلہ انہوں نے شروع کیا ہے جو مسلکا دیوبندی ہونے کی بناء پر حضورؐ کا یوم ولادت منانے کو بھی بدعت قرار دیتے رہے ہیں۔

لاہور کے ایک دین فروش ملا مولوی احمد علی لاہوری تے جسے اس کے مریدان بکم سواد شیخ التفسیر کہتے ہیں اس نے خدام الدین کے نام سے ایک پرچہ نکالا۔ اس پرچہ کے سرورق پر یہ اپیل شائع کی گئی کہ ۲۲ رجب کو معاویہؔ کا دن منایا جائے کیونکہ وہ مسلمانوں کا ماموں ہے (یہ شمارہ رجب ۱۳۹۸ھ کے کسی ہفتہ کا ہے)۔

اگر معاویہؔ مسلمانوں کا ماموں ہے تو ام المومنین حضرت صفیہ کا باپ حی بن اخطب جو یہودی تھا وہ تو مسلمانوں کا نانا ہوا اس کا دن کیوں نہیں مناتے اہل سنت کا یہ عجیب دو رخا کردار ہے کہ اپنے ماموں کی یہ عزت افزائی اور اپنے نانا سے یہ بے رخی اور کم ادائی نانا کا حق تو ماموں سے بہر حال زیادہ ہوتا ہے ویسے عربی زبان میں ایک کہاوت ہے "الخال خال" ماموں کا دل محبت سے خالی ہوتا ہے۔ البتہ اگر اسے پنجابی زبان کا "ماماں" کہہ لیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خیر یہ تو اپنے اپنے مقدر کی بات ہے کہ حضورؐ کا جشن ولادت

منانا بدعت قرار پائے عبدالقادر جیلانی کی گیارہویں کا ختم دلانا شرک سمجھا جائے اور ماموں معاویہؓ کا یوم وفات منانے کی باقاعدہ مہم چلائی جائے سے

ایں کار راز تو آید و مرداں چنیں کنند

صحابہ کو اتنی اہمیت اس لئے بھی دی جاری ہے کہ ایک مدت سے ملاؤں کا طبقہ آمد وخرچ کے باب میں عثمان بن عفان کی روش پر عمل پیرا ہے۔ مدرسے اسی لیے قائم کیے جاتے ہیں کہ ان کے ذریعے زکوٰۃ وصدقات وخیرات کی جو آمدنی ہو اسے بے دریغ اپنی ذات پر حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر خرچ کر دیا جائے۔

زید بن ارقم مشہور صحابی رسولؐ نے عثمان بن عفان کو بیت المال میں خیانت مجرمانہ کا مرتکب پایا تو اس پیر فرتوت خلیفہ سے کہا تھا۔

"مجھے یوں لگتا ہے کہ تم نے جو پیسے راہِ خدا میں صرف کیے تھے اب بیت المال سے مع سود کے اس دولت کو واپس لے رہے ہو تم نے مروان کو بیت المال سے اتنی رقم دی اپنے داماد کو اتنا روپیہ دیا تمہارے لیے اس کا کیا جواز ہے۔" دینی مدارس کے مہتمم حضرات نے اس گر کو پلے باندھ لیا چونکہ اہل سنت ہیں اس لیے خلیفۂ سوم کی سنت پر بڑی فراخدلی سے عمل پیرا ہیں اور دنیا ہی میں جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

ہم ایسے بہت سے لوگوں کو ذاتی طور پر جانتے ہیں جو ان مدرسوں کی آڑ میں شکار کھیل رہے ہیں کاریں ہیں کوٹھیاں ہیں اور وہ بھی ایئر کنڈیشنڈ۔ لائلپور میں مفتی زین العابدین کے پاس کار بھی ہے ایئر کنڈیشنڈ بنگلہ بھی ہے۔ الٹے تلے بھی ہیں اور ذریعہ معاش کیا ہے۔ اس کا اپنا مدرسے دارالعلوم اسے کہتے ہیں حلوائی کی دکان

دادا جی کا فاتحہ ظاہر ہے کہ خلیفہ سوم کی سنت پر کار بندی کے بغیر زندگی کے یہ مزے کہاں مل سکتے تھے جماعت اسلامی کا ایک صف اول کا رہنما مولوی گلزار احمد پراچہ ہے علماء اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس نام پر بیرون ملک سے لاکھوں روپے چندہ کر کے لایا پھر کوٹھی لی کار بھی خریدی خود اس اکیڈمی کا صدر بنا لڑکے کو اس کا سیکرٹری بنایا اور خوب خوب دادِ عیش دے رہا ہے۔ اور جماعت اسلامی کی آشیر واد اسے حاصل ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ شخص بددیانت ہے پہلے جمعیت اتحاد العلماء کا ڈھونگ رچا کر گل چھرے اڑاتا رہا اب علماء اکیڈمی کے فراڈ پر گذر اوقات کر رہا ہے اور یہ وہی جماعت اسلامی ہے جو خلافت راشدہ کا نظام ملک پر نافذ کرنے چاہتی ہے۔ تو درون در چہ کردی کہ برون خانہ آئی۔

مجھے یاد ہے بہت عرصہ پہلے کی بات ہے راولپنڈی کا نام نہاد شیخ القرآن جو قرآن پڑھتا ہے۔ تو یوں لگتا ہے جیسے قرآن کو کند چھری سے ذبح کر رہا ہو۔ وہ اپنے مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی دعوت لے کر مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے پاس اور یہ سن اکاون ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے۔ شاہ جی نے مولوی غلام خاں سے کہا جبتک تم ان پچاس ہزار روپوں کا حساب نہیں دو گے جس کا تم نے حضرو میں زمینیں خریدی ہیں میں تمہارے مدرسہ کے جلسہ میں شریک نہیں ہوں گا۔

میاں چنوں ہیں مولوی ابراہیم جگرانوی کا مدرسہ ہے آجکل اس کا مہتمم اسی کا لڑکا مولوی رشید ہے اس نے مدرسہ کی آمدنی سے ایک ٹریکٹر خریدا اور خود مجھے بتایا کہ چونکہ مدرسہ کے فلاں مدرس کو اس واقعہ کا علم ہے اس لیے اس

مدرس سے مجھے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ اس خبر کو عام نہ کر دے اور میرے تقدس کا بھرم نہ نکل جائے یہ رقم ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی مفتی محمود مرحوم قاسم العلوم ملتان کا ایک معمولی مدرس تھا آج لاکھوں میں کھیلتا ہے اس دور میں اگر کسی شخص کی ماہانہ تنخواہ ہزار روپیہ بھی ہو تو وہ ایسے ٹھاٹھ کبھی نہیں جما سکتا جیسا کہ سیاست و مذہب کے اس پیر تسمہ پا نے جما رکھے ہیں۔

سنو یہ لوگ بھی سیچے ہیں ان کی نظریں اگر بار بار معاویہؓ یا در عثمانؓ کی جانب اٹھتی ہیں تو اسی اندیشہ سے کہ ان کی بدعنوانیوں کو ان اسلاف کی بدعنوانیوں کے پردہ میں چھپایا جا سکے ؎ دامن یارِ خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا

ہر بدعنوانی کو سند جواز کہاں سے مل سکتی ہے صرف صحابہ سے اگر کسی عالم دین نے زنا کا ارتکاب کیا تو مغیرہؓ بن شعبہ کی مثال موجود ہے جسے حرامی بچہ زیادؓ کی مشکوک گواہی کی بنا پر شک کا فائدہ دیتے ہوئے خلیفہؓ دوم نے سزا سے صاحب بچا لیا۔

اگر قومی سرمایہ میں گڑبڑ گھٹالا ہو تو عثمانؓ جب خلیفہؓ راشد بھی تو یہی کچھ کرتا رہا اور مولوی صاحب نے یہ حرکت کر لی تو کیا بُرا کیا۔

اگر کوئی خوب رو لونڈے کا تعاقب کرتا ہوا پکڑا جائے تو فلج کا مصرف بھی تو یہی تھا۔ یقین نہ آئے تو لائلپور کے مولوی تاج محمود اور بہاولپور کی جامعہ مدنیہ کے مہتمم مولوی غلام مصطفےٰ سے پوچھ لیجئے کہ کسی لڑکے کو دعوت گناہ دینے کے بعد موقعہ پر پکڑے جانے کی صورت میں اسے کہاں پناہ مل سکتی ہے۔

مروانؓ کا باپ حکمؓ بھی تو اس علت کا مریض تھا (حیوۃ الحیوان دمیری)[1]
مجھے خلیفہ دوم کے زمانہ کا وہ خوب رو جوان نصر بن حجاج یاد آتا ہے جو قابو نہ آسکا تو پہلے اس کا سر منڈوا دیا گیا اس پہ بھی جب اس کا حسن ماند نہ پڑا تو اسے مدینہ سے نکال باہر کیا کہ اچھا اگر ہمارے کام کے نہیں ہو تو کسی اور کے کام بھی کیوں آؤ۔ الزام اس کا یہ لگا کہ لڑکیاں اُسے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں۔
یہ ذوق جمالیات سے محرومی تھی یا احساس محرومی کی خلش اس کا فیصلہ تو خود صاحب واقعہ ہی کر سکتا ہے ہم کون ہیں کہ خلافت راشدہ پر لب تنقید وا کریں۔

---

[1] "روپ بہروپ" کے عنوان سے ایک کتاب عنقریب شائع کی جا رہی ہے جس میں پاکستان کی دینی قیادت کے ان بدکردار نمائندوں کے "اسرار درون خانہ" کی بھرپور انداز میں نقاب کشائی کی گئی اور ان کی عیاشیوں، بدمعاشیوں، بدکرداریوں، ضمیر فروشیوں اور مجروں میں مجروں کی تمام داستانیں بھی تفصیل سے یکجا کر دی گئی ہیں۔
پاکستان میں اس وقت جتنی دینی اور مذہبی جماعتیں سرگرم عمل ہیں ان کے صف اوّل تمام مقتدر رہنماؤں کی "ذوق عجم" کی کوچہ و بازار میں پھیلی ہوئی داستانیں گھر کے ایک بھیدی نے طشت از بام کی ہیں اور یوں ان بہروپیوں کی لنکا ڈھانے کی سعادت بھی اس کتاب کے مصنف ہی کو حاصل ہوئی ہے کہ وہ ان رہنماؤں کی نجی زندگیوں کا بہت قریب سے اور بہت گہری نظر سے مطالعہ کرتا رہا ہے۔ دینی قیادت اور اس کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے راقم الحروف نے اس کتاب میں ان جملہ خرابیوں کا مفصل جائزہ لیا ہے جن کی وجہ سے دین اور حاملین دین پر سے لوگوں کا اعتماد یکسر اٹھ گیا ہے۔

ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

اگر باپ اپنے نااہل بدقماش اور بد دیانت بیٹے کو اپنے مدرسے کی مسند اہتمام پر بٹھانے کی تدبیر کرتا ہے تو یہاں بھی صحابی کا طرز عمل سند ہے کہ معاویہ نے اپنے بدنہاد بیٹے یزید کو اسی دن کے لیے پالا پوسا تھا تاکہ امت کے علماء اس کی پیروی کر سکیں۔

ایسے لوگوں کا ہیرو اگر معاویہ نہیں ہوگا تو اور کون ہوگا کہ اوّل بر آخر نسبتے دارد سو صحابہ کے گن گانے ہی میں سب کا فائدہ اور بھلا ہے کہ ہر بدکار اور بدنہاد انسان کو کسی نہ کسی صحابی کے دامن میں منہ چھپانے کا موقع تو مل جاتا ہے صحابہ کا اس سے اچھا مصرف اور کیا ہو سکتا ہے عظمت صحابہ کے ہم بھی قائل ہیں مگر ان صحابہ کے جنہوں نے حضور کے بعد حق و باطل کی کشمکش میں حق کا واضح ساتھ دیا ایسے تمام صحابہ ہماری سر آنکھوں پر ان پر خدا کی لامحدود رحمتیں نازل ہوں لیکن صحابہ کا وہ طالع آزما گروہ جس نے حق کو حق مانتے ہوئے باطل کو سینہ سے لگایا اور حق کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا وہ کوئی خدا کی جناب سے حقوق یافتہ طبقہ نہیں ہے کہ اس کی غلط کاریوں پر گرفت نہ کی جائے۔

تاریخ نے کب کسی کو معاف کیا ہے کہ صحابیت کا دم چھلا لگنے سے روسیاہ اور بدکار لوگ معاف کر دیئے جائیں اور ان کے بارے میں زبان اور قلم کو جنبش نہ آئے۔

کیا حضورؐ اس لیے دنیا پر تشریف لائے تھے کہ ایک لاکھ بیس ہزار کے لگ بھگ صحابہ کو عصمت انبیاء کا سرٹیفیکٹ دے کر امت کے سروں پر مسلط کر جائیں کہ دیکھنا ان کو برا بھلا مت کہنا

چاہے یہ کچھ بھی گل کھلاتے رہیں   انہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

خواہ ان کی اس بدعنوانی کا نشانہ خود پیغمبرؐ کی ذات اور ان کے خاندان کے وہ قریبی افراد ہی کیوں نہ بنتے رہیں جن سے محبت کا پیغمبرؐ نے خود حکم دیا ہے بلاشبہ حضورؐ نے صحابہ کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے مگر کیا کسی صحابی کے علانیہ مجرم ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کے جرم پر پردہ ڈالنے کی ہدایت کی گئی ہے کیا یہی اسلامی عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ قرآن مقدس میں کتنی آیات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ میں ہر معیار کے لوگ موجود تھے۔ وہ بھی جن کے دامن تقدس پر فرشتے نمازیں پڑھیں اور وہ بھی کہ "انہیں دیکھ کے شرمائیں یہود" ان میں ایسے گستاخ اور منہ پھٹ صحابی بھی تھے جو کہتے تھے۔ "جیسا شک حضورؐ کی نبوت کے بارے میں مجھے حدیبیہ کے روز ہوا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا"

ان میں ایسے جبر قناتیے بھی تھے جو بارگاہ نبوت میں ہوتے پر خود کو فرشتوں سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور جب وہاں سے اٹھتے تو "الوسواس الخناس" بن جاتے۔ جو میدان جنگ سے بھگوڑے بن کر راہ فرار اختیار کرتے لیکن میدانِ جنگ سے باہر ایک پریوں دھونس جماتے جیسے اگر یہ نہ ہوتے تو اسلام کو تو بس سر چھپانے کی بھی جگہ نہ ملتی "خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد" انسانوں کا ایک جم غفیر اور ان میں ہر ایک کانٹے پر تلا ہوا یہ عملاً ممکن نہیں ہے اور اس لیے قرآن پاک نے بار ہا ان کے ڈھول کا پول کھولا جو صحابیت کے شرف سے شرف تو ہو گئے تھے مگر جنہیں انسان بننے کا ابھی تک سلیقہ نہیں آیا تھا۔ اسلام آتش رو اور تنک مایہ لوگوں کا مذہب نہیں ہے گر صحابہ میں ایسے ایسے بدمزاج

لوگ پائے جاتے تھے۔ جن سے مرد تو رہے ایک طرف عورتیں بھی ان سے وحشت کھاتی تھیں۔

ان میں ایسے فرد اور چاپلوسی قسم کے صحابہ بھی تھے جو حضورؐ کی زندگی میں ایک صحابی کو سب سے بڑا اعزاز ملنے پر سب سے پہلے مبارکباد دیں اور جب حضورؐ دنیا سے رخصت ہو جائیں تو اس اعزاز پانے والے صحابی کی زندگی اجیرن کر دیں اسے محض چند غنڈوں کی پشت پناہی کی بناء پر آنکھیں دکھائیں اور اسکی جان اور عزت کے لاگو ہو جائیں اور جب ذرا اقتدار مل جائے تو اپنے ہی ساتھیوں اور ہم چشموں پر غرانے لگیں اور ان کا جینا حرام کر دیں[۱]

سو اپنی سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی اور نہ کسی معقول انسان کی سمجھ میں یہ بات آئے گی کہ کسی معاشرہ میں تمام لوگ سراسر نیک اور پاک ہو جائیں اور ان میں برائی کا عنصر بالکل ہی مفقود ہو جائے ایسا تو اللہ تعالیٰ نے بھی نہیں کیا کہ سب کی فطرت کو سلیم بنا دیتا پیغمبر کیوں کر ایسا کر سکتا تھا۔ شرف صحابیت بہت بڑا اعزاز ہے مگر انہی لوگوں کے لیے جنہوں نے اس شرف و مجد کی قدر کی اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے مگر وہ ٹٹ پونجیئے اور خبیث لوگ جنہوں نے اس نعمت

---

[۱] خلیفۂ دوم کے زمانہ میں بڑے بڑے صحابہ پر یہ پابندی عائد تھی کہ وہ مدینہ سے باہر نہ جائیں تاکہ اسلام کے نام پر اور اسلامی حکومت کی آڑ میں جو ستم رانی کا سلسلہ جاری تھا اسپر کوئی صدائے احتجاج بلند نہ کر سکے بالخصوص شام میں جس طرح اسلام دشمنی کی تحریک کو تقویت بہم پہنچائی جا رہی تھی اس پر پردہ پڑا رہے۔

کی قدر نہ کی اور حضورؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں اور حضورؐ کے خاندان کے درپئے آزاد ہو گئے تو اس قماش کے لوگ کسی احترام کے مستحق نہیں ہیں اور ان کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں ہے۔ ایسے صحابہ پر تو خود قرآن مقدس اور احادیث نبویؐ نے لعنت بھیجی ہے اس لیے انہیں ملعون قرار دینا قرآن و سنت ہی کی ترجمانی ہے۔

کسی مومن کو بے قصور قتل کر دینا جیسا کہ معاویہؓ نے اس جرم کا بار بار ارتکاب کیا۔ کیا اسے قرآن مقدس کی آیت کریمہ کا مصداق نہیں بنا دیتا کہ ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ و اعد لہ عذابا عظیما۔ (اور جو شخص کسی اہل ایمان کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب ٹوٹے گا اور اس پر خدا کی پھٹکار پڑے گی اور خداوند تعالٰی نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے سیدنا امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر دینا مالکؓ اشتر کو زہر آلود شہد کھلا کر موت کے گھاٹ اتار دینا، حجرؓ بن عدی کو دردناک طریقے سے قتل کروا دینا محمد بن ابی بکرؓ کو آگ میں بھون دینا اور اسی قبیل کے جلیل القدر اکابر کے خون سے ہولی کھیلنا کیا معاویہ اور اس کے حواریوں کے لعنتی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمارؓ بن یاسر کو برا بھلا کہنے والے کو بھی لعنتی قرار دیا تھا اور معاویہؓ نے تو اس عظیم انسان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لیے تو کیا وہ اس گھناؤنے جرم کی بناء پر مستحق لعنت نہیں ہے؟

دنیا میں آنکھوں کے اندھوں کی طرح عقل کے اندھوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے بلکہ تناسب کے اعتبار سے عقل کے اندھوں کی بہتات ہوگی جانتے بوجھتے ہوئے ایک شخص کی بدکاریوں اس کی خباثتوں اس کی بدنہادیوں اور سیہ کاریوں کے علی الرغم اسے اپنا مقتدا اور پیشوا ماننا اس کی عزت و تکریم کرنا اس کی عظمتوں کے قصیدے پڑھنا یہ ہے وہ سرمایۂ افتخار جو سواد اعظم کو نصیب ہوا ہے گویا جسے "سواد الوجہ فی الدارین" (دونوں جہان میں منہ کالا) کہا جاتا ہے وہ اس سواد اعظم کا طرۂ امتیاز ہے۔

علیؑ کی خلافت بھی برحق ہے اور معاویہ کی بغاوت۔ میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے۔ یہ کونسا فلسفۂ اخلاق اور ضابطۂ افکار ہے کہ دو متحارب قوتیں برسر پیکار ہوں رزم گاہ کا سماں ہو زندگی سے زندگی آپس میں ٹکرا رہی ہو حق و باطل کی کشمکش کا منظر عیاں ہو لیکن عقل کے اندھوں کا ایک بہت بڑا گروہ جسے اپنی اکثریت پر ناز ہے اس ساری صورت حال کا جائزہ یوں لیتا ہے جیسے یہ کفر و اسلام کی جنگ نہیں تھی۔ کرکٹ یا ہاکی کا میچ تھا کہ دونوں ٹیموں نے سپورٹس مین سپرٹ کا خوب خوب مظاہرہ کیا اس لیے دونوں ہی داد کے قابل ٹھہریں یعنی بقول میر

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

خلیفۂ دوم کی شراب نوشی

عہد خلافت راشدہ کی ایک جھلک

خلیفۂ دوم عمر ابن خطاب کے بارے میں کتب حدیث میں تصریح آئی ہے کہ حضرت شراب کے رسیا تھے اور شراب بھی کسی
وہ مئے تند کہ ہوش آئے نہ تا یوم حساب

عن عمر انه کان یشرب النبیذ الذی اذا شربه رجل اٰخر ذهب عقله - (عمر کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ ایسی تند و تیز "نبیذ" (شراب کی ایک قسم) پیتے تھے کہ اگر کوئی دوسرا اسے پی لیتا تو اس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہتے۔

یہ ایک بہت بڑے دیوبندی عالم مولوی حسین علی کی "تحریرات حدیث" کی عبارت ہے جو انہوں نے صحاح ستہ کی روایات کی چھان پھٹک کر کے مرتب کی ہے۔ کتاب کا پورا نام ہے "تحریرات حدیث علی اصول التحقیق" مطبوعہ یونین پریس ملتان، شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق اگست ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۶۲۔

مولوی حسین علی کس پایہ کے عالم تھے اس کا اندازہ ان کے شاگردوں کی شہرت سے کیا جا سکتا ہے ان کے تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا

غلام اللہ خان اور پیر طریقت سید عنایت اللہ شاہ بخاری جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔

اور یہ بات تو تاریخ کے ادنی طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ خلیفہ دوم جب ابو لولو فیروز مجوسی کے سہ دھارے خنجر سے بسمل ہوئے تو انہیں جو مشروب پلایا گیا وہ یہی شراب خانہ خراب "نبیذ" تھی جو ان کے حلق میں انڈیلی گئی اور زخموں کے راستے نکل گئی اور تب ان کے تیمارداروں کو یقین ہو گیا کہ اب ان کی زندگی آخری دموں پر ہے۔

پاکستان کے ایک سابق اور مرحوم وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے لاہور کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے جب علانیہ یہ اعتراف کیا کہ وہ مسلسل کئی گھنٹے کام کرنے کے بعد تھوڑی سی شراب نوش کر لیتے ہیں۔ تو ان کے مخالفین نے جو نظام مصطفےٰ اور نظام خلافت راشدہ کے علمبردار تھے اس بات کو خوب اچھالا اور ان پر اخبارات و جرائد میں اور برسر عام تقریروں میں لعن طعن کی گئی کہ ایک اسلامی مملکت کا وزیراعظم کھلے بندوں شراب نوشی کا اعتراف کرتا ہے۔

لیکن خلافت راشدہ کا ہیرو نمبر ا معمولاً شراب نوشی کرتا تھا اور شراب بھی وہ کہ دوسرا پیئے تو ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جائے لیکن اس کے بارے میں زبان طعن دراز کرنا کفر کے مترادف قرار پائے "یک بام و دو ہوا" کی اس سے بہتر یا بدتر مثال کہیں اور مل سکتی ہے۔

اور یہ مغیرہ بن شعبہ جو معاویہ کا یارِ غار تھا جس نے اسے یزید کی

راہ ہموار کرنے کا مشورہ دیا خود کیا تھا خلیفۂ دوم کے زمانۂ خلافت میں جب یہ کوفہ کا گورنر تھا زنا کے جرم میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا چاروں گواہ موجود تھے مگر ایک گواہ نے آخری مرحلہ پہنچ خلیفۂ دوم کے تیور دیکھ کر کتمان شہادت کیا اور اس طرح یہ شخص سزا سے بچ گیا۔ شرابی خلیفہ نے زانی گورنر کو شرعی حد سے بچا لیا اور صحابیت کی دستار شرف دونوں کے سروں پر جمی رہی امیرالمومنین علی علیہ السلام جو آیۂ تطہیر کی پاکیزگیوں اور معصومیتوں کے حامل تھے ان کے عہد اقتدار میں ایسوں کی دال کہاں گل سکتی تھی اور ان کی عیاشیوں کو سند جواز کہاں سے مل سکتی تھی اسی لیے یہ لوگ عمر بھر ان کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔

ایک معصوم اور مقدس انسان سے نفرت کے لیے مجرمانہ ذہنیت شرط لازم ہے قرآن مقدس نے کیا خوب کہا ہے۔ وعز من قائل وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین۔ "ہم نے ہمیشہ جرائم پیشہ لوگوں ہی میں سے ہر پیغمبر کے دشمن پیدا کئے۔" سوچو نبیؐ کی مسند امامت کا وارث ہو ضروری ٹھہرا کہ اس کے دشمن بھی اسی قماش کے لوگ ہوں۔ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے دشمنوں میں سے ایک ایک کی زندگی کا سرسری نظر سے جائزہ لیجئے۔ صرف مجرم ضمیر ہی ان کے خلاف صف آرا ملیں گے اور ایک بلند و بالا انسان کی عظمت کے لیے یہ بات بس کرتی ہے کہ گھناؤنے کردار کے لوگ اس کے درپے آزاد ہو جائیں۔

عرب شاعروں نے اسی مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔
ایک شاعر کہتا ہے۔

لقد زادنی حبا لنفسی اننی
بغض الی کل امریٔ غیر طائل

مجھے اپنی زندگی اس لیے بھی پیاری ہے کہ ہر بے ہودہ شخص دل میں میرے خلاف بغض کے جذبات رکھتا ہے ایک اور شاعر نے اسی مضمون کو یوں باندھا ہے۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص
فھی الشھادۃ لی بانی کامل

جب کسی ناقص انسان سے میری برائی سنو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں ایک کامل انسان ہوں لیکن ایک اور شاعر نے بات کو برملا کہنے کا ایک نیا اسلوب بخشا وہ کہتا ہے۔

تمابکۃ والحطیم وزمزم۔ والراقصات دبعیھن الی منی
لبغض الوصی علامۃ مکتوبۃ۔ کتبت علی جبھات اولاد الزنا

ترجمہ ان اشعار کا قبل ازیں گزر چکا ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی علیہ السلام کے خلاف مغیرہ بن شعبہ نے جو کردار ادا کیا وہ اپنی جگہ کتنا ہی گھناؤنا ہو۔ اس کے اس طرز عمل کو دیکھا جائے جو اس نے اسی اکفر و اخبث "معاویہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے اختیار کیا تو ایسے شخص کو صحابی کہنا تو بجائے خود رہا اسے انسان کہنا بھی انسانیت کی

توہین ہے۔

یہ شخص اپنی گورنری کے دور میں کس قدر سفاک، ظالم اور خونخوار تھا اس کا ثبوت صرف اس ایک واقعہ سے مل سکتا ہے اگرچہ اس کے گھناؤنے کردار کے لیے ایک سیاہ دفتر درکار ہے۔

معینؓ بن عبداللہ حضرت علیؑ کے طرف داروں میں سے تھے معاویہ اور مغیرہ کی نگاہوں میں کسی مسلمان کا امام علی کا نام لیوا ہونا ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا صرف موت ہو سکتی تھی چنانچہ معین بن عبداللہ کو پابہ جولاں مغیرہ کے حضور پیش کیا گیا مغیرہ نے معاویہ کو اس کے بارے میں اطلاع دی اور پوچھا کہ معین بن عبداللہ سے کیا سلوک کیا جائے؟

معاویہ نے لکھا کہ اگر معین میری خلافت کا اقرار کر لیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے مغیرہ نے معین بن عبداللہ سے پوچھا "کیا تم اس امر کی شہادت دیتے ہو کہ معاویہ خلیفہ اور امیرالمومنین ہے؟ معین بن عبداللہ نے جواباً فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت برحق ہے قیامت کا آنا برحق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور میں اس امر کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بات بھی برحق ہے۔ اس پر مغیرہ نے معین بن عبداللہ کے قتل کا حکم دیا اور انہیں تہ تیغ کر دیا گیا۔

(الکامل لابن اثیر)

اور کوئی پوچھے اس دوگے " حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے معاویہ کے خبث باطن اور اس کی بے ایمانی اور کفر کا اس کو اسی روز پتہ چلا جب وہ

اپنے دور کے سب سے عظیم انسان سے برسرِ پیکار تھا اور مغیرہ اس کی دسیسہ کاریوں اور بدکرداریوں میں اس کا برابر کا شریک تھا اس وقت اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ "ذاتِ شریف" کون ہے اور وہ خود کس مقام پر کھڑا ہے؟ معاویہ کے اس طرزِ گفتگو اور اندازِ بیان سے یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ حضور سرورِ کائنات محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اذان میں پانچ مرتبہ نام لیا جانا بھی اسے گوارا نہیں اور اسے کتنی حسرت ہے کہ اس کا نام تو مٹ جائے گا لیکن اس کے مرنے کے بعد بھی حضورؐ کا نام اسی عزت و تکریم سے لیا جاتا رہے گا جس پر اس کے باپ کو بھی تکلیف تھی اس کی ماں بھی جلتے توے پر دانہ اسپند کی طرح رقص کرتی رہی اور خود بھی انگاروں پہ لوٹتا رہا۔

اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس تو "ورفعنالک ذکرک" (ہم نے آپؐ کے ذکر کو سرفرازی عطا کی) کے وعدۂ خداوندی سے بطورِ خاص نوازی گئی تھی اس لیے اس نام کو تو خاندانِ بنی اُمیّہ کے عثمان بن عفان سے لے کر اس بدنہاد خانوادے کے کسی دوسرے فرد تک کی پے درپے کوششوں سے مٹایا نہیں جا سکتا تھا وہ تو اپنے حریف کے نام کی عظمت کو بھی نہ مٹا سکے کہ آج امتِ مسلمہ کی ایک کثیر تعداد جس کا شمار کروڑوں سے متجاوز ہے اذان میں "اشہد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلافصل" کے کلمات بھی دن میں پانچ مرتبہ دہرائی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ میں علیؑ، علیؑ کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور کوئی ہے جو اس نعرہ کی آب و تاب اور اس کی گھن گرج اور اس کی گونج پر قدغن لگا سکے۔

یہاں مجھے عرب کے ایک نامور شاعر اور شام کے سرکردہ ادیب استاد محمد مجذوب کے وہ اشعار یاد آئے جن میں انہوں نے سیدنا علی ابن ابی طالبؓ سے معاویہ بن ابی سفیان کا تقابل کیا ہے اس قصیدہ کا عنوان ہے، "علی قبر معاویہ" (معاویہ کی قبر پر) شاعر کہتا ہے۔

ابین القصور دابا یزید و لهوها والصافنات وزهوها والسؤدد

اے معاویہ اے یزید کے باپ وہ محلات کیا ہوئے اور وہ لہو و لعب کے تماشہ کہاں گئے وہ گھوڑے وہ فخر و غرور اور وہ سرداری کیا ہوئی۔

این الدهار نحرت غر بہ علی اعتاب دنیا سحرها لاینفد

وہ شاطرانہ چالیں جنہیں تم نے دنیا کی چوکھٹ پر برباد کر دیا اب کہاں ہیں اور وہ دنیا اس کا طلسم تو کبھی ختم ہونیوالا ہے۔

اثرت فانینا علی الحق الذی هو لو علمت علی الزمان مخلد

دنیا کی مٹ جانے والی لذتوں کو تو نے اس سچائی اور حق پر ترجیح دی جو سچائی ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔

تلك البهارج قد مضت بسبلیها وبقیت وحدك عبرة تتجدد

وہ جھوٹی شان و شوکت جس کے ٹھاٹھ تم نے جمائے تھے رخصت ہوئی اور اب تم عبرت کا نشان بن کر رہ گئے ہو۔

هذا قبرك لو بصرت بؤسه لاسال مدمعك المصیر الاسود

یہ تمہاری قبر اس کی خستہ حالی اور ویرانی کو کاش تم دیکھ سکتے تو اپنے انجام بد پر تمہارے آنسو بہ نکلتے

کنل من الترب البین بحوبتہ سکر الذباب بھا فراح یحربد
ایک ویرانے میں مٹی کا ایک ڈھیر ہے جس پر مکھیاں ناچ رہی ہیں اور بدمستی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

خضیت معالمھا علی زوارھا فکانھا فی مجھل لا یقصد
آنے جانے والے کسی شخص کو مٹی کے اس ڈھیر کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے یہ گویا ایک مجہول الحال قبر ہے جس کا کوئی رُخ نہیں کرتا۔

ومتنٰی بھا رکب البلیٰ فجدارھا عاریکاد من الضراعۃ یسجد
جس حجرے میں یہ قبر نہاں ہے زمانہ کے حوادث نے اسے اس طرح پامال کیا ہے کہ اس کی دیواریں باعث ننگ ہیں اور قریب ہیں کہ گر پڑیں

والقبۃ الشماء نکس طرفھا فبکل جزء للفناء بھا ید
اس کا بلند قبہ بھی بوسیدہ ہو چکا ہے اور اب اس کا ایک ایک حصہ فنا کی دستبرد کا شکار ہو چکا ہے۔

تنھمی السحائب من خلال شقوقھا والریح فی جنباتھا تتردد
اس قبہ کی دراڑوں میں بارش کا پانی ٹپکتا ہے اور ہوا یہاں سے یوں گزرتی ہے جیسے آوارہ روح۔

حتی المصلی مظلم فکانہ من کان لم یجتزبہ متعبد
اس قبہ سے ملحق عبادت گاہ بھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے یوں لگتا ہے جیسے یہاں سے کبھی کسی عبادت گزار کا گذر ہی نہیں ہوا۔

أبا یزید لذلک حکمۃ خالق تجلی علی قلب الحکیم فیرشد
اے معاویہ اے یزید کے باپ یہ پروردگار عالم کی حکمت ہے جس سے

ایک دانشور کو بہرہ ملتا ہے اور ان حکمتوں سے رہ نمائی حاصل کرتا ہے۔

ارأیت عاقبۃ الجموح ونزوۃ   اودی بلبك غیها المتردد

حرص و ہوس کے جس گھوڑے پر تو سوار تھا اس کا اور اس کی اچھل کود کا انجام تو نے دیکھ لیا؟ اس حرص و ہوس کی گمراہ کن حرکت ہی نے تیری عقل کو اندھا کر دیا تھا۔

اغری بك بالدنیا فرحت تشنہا   حربا علی الحق الصراح و توقد

یہ عقل کا اندھا پن تھا جس نے تجھے دنیا کے فریب میں مبتلا کر دیا اور تو نے اس دنیا کی خاطر حق و صداقت سے تصادم مول لیا۔

أابا یزید وساء ذلك عترۃ   ماذا اقول وباب سمعك موصد

اے یزید کے باپ! تیرے اس گھناؤنے انجام پر تجھ سے کیا کہوں کہ تیری قوت سامعہ حق سننے سے ہمیشہ محروم رہی

قم وارمق النجف الشریف بنظرۃ   یرتد طرفك وهو باك ارمد

اٹھ ادھر ایک نظر نجف اشرف کی جانب دیکھ تو اپنے جلیل القدر حریف کی عظمت کے انداز دیکھ کر تیری آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی۔

تلك العظام اعز ربك قدرها   فتکاد لولا خوف ربك تعبد

نجف اشرف کے مرقد مقدس میں محو خواب شخصیت کو خدائے بزرگ نے کس اعزازات سے نوازا کہ اگر شرک کا اندیشہ نہ ہوتا تو لوگ اس مرقد کی پرستش کرتے

ابدا تباکرها الوفود یحثها   من کل حدب شوقها المتوقد

یہاں زائرین کا ہر دم تانتا بندھا رہتا ہے جنہیں اس مزار مقدس کی محبت

دنیا کے کونے کونے سے کھنچے لئے چلی آرہی ہے۔

نازعتها الدنیا فغرت بودها ثم انطوی کالحلم ذاک المورد

نجف اشرف کی اس مقدس شخصیت سے تو نے دنیا کی خاطر لڑائی مول لی وہ دنیا تجھے مل بھی گئی مگر اب وہ دنیا ایک خواب وخیال بن کر رہ گئی ہے۔

وسعت الی الاخری فاصبح ذکرها فی الخالدین وعطف ربک اخلد

جبکہ سیدنا علیؑ کی روح مقدس نے آخرت کو تیرے مقابلہ میں دنیا پر فوقیت دی اور انہیں زندگی جاوید کی ضمانت ملی خدائے قدوس کی انصاف و عنایات سے زیادہ پائیدار اور غیر فانی شئے اور کیا ہو سکتی ہے۔

جن لوگوں کو سفر شام کا اتفاق ہوا ہے اور معاویہ کی قبر کی خستہ حالی اور بدمنظری دیکھنے کا جنہیں موقعہ ملا ہے اور اس کے مقابلہ میں جو لوگ نجف اشرف کی بارگاہ امامت میں حاضری کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قصیدہ کے ایک ایک شعر کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ رسوائی کس کا ابدی مقدر بن گئی اور عظمت وجلالت کا رتبہ بلند کسے ملا۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

معاویہ اور اس کی ذریت اور اس کے خاندان اور اس کے اعوان و انصار نے جن میں ایک نمایاں نام مغیرہ بن شعبہ کی بھی ہے۔ کیا کچھ کوشش اس باب میں نہیں کی کہ سیدنا علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بلند وبالا شخصیت

کی عظمت کو مجروح کیا جائے برسہا برس تک معاویہ نے مسجد کے منبر و محراب سے سیدنا علی علیہ السلام پر سب و شتم کرایا انہیں علانیہ گالیاں دلوائیں اور اس کے زر خرید ملازموں نے جن میں ابو ہریرہ جیسے ضمیر فروش لوگ بھی تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی ذات میں کیڑے ڈالنے کی ناپاک کوشش کیں لیکن وہ ذات قدسی صفات۔ جسے پیغمبرؐ نے اپنا وصیؑ اپنا جانشین اپنا خلیفہ اور اپنے بعد اپنی امت کا امام قرار دیا تھا مشرق و مغرب میں اس کا نام آفتاب کی مانند روشن ہے اور اس کے معاندین کی روسیاہی اور بخت کی وار گونی پر وقت نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

ابن الکلبی نے اپنی کتاب "الغرائب" میں حجاج بن یوسف ثقفی اور عبداللہ بن ہانی اودی کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے یہ شخص حجاج کے مقربین بارگاہ میں سے تھا ایک مرتبہ دوران گفتگو اس نے اپنے قبیلہ "اؔود" کے فضائل و مناقب کا تذکرہ شروع کر دیا اسی ضمن میں اس ملعون انسان نے سب سے زیادہ جس بات پر حجاج سے داد حاصل کی وہ یہ تھی کہ

و مامنا رجل عرض علیہ شتم ابی تراب ولعنہ الا فعل و زاد ابنیہ حسنا و حسینا و امہما فاطمۃ فقال حجاج عن ذلک منقبۃ واللہ،

"عبداللہ بن ہانی اودی نے اپنے قبیلہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے قبیلہ کے کسی فرد کے سامنے جب بھی سیدنا علی علیہ السلام کو گالی گلوچ کی گئی تو اس نے حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ ان کے دونوں بیٹوں حسنؑ و حسینؑ اور ان کی والدہ سیدہ فاطمہؑ کو بھی اس سب و شتم میں شریک

کر لیا" اس پر حجاج بولا " اللہ کی قسم یہ بہت بڑی خوبی ہے"

اس معاملہ پر بنی اُمیہ کی جرأت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ سیدنا علی علیہ السلام پر سب و شتم کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے تمام شخصی امتیازات اور خارجی ممیزات کا ذکر بھی کیا جاتا تھا اور تب ان پر لعنت کی جاتی تھی مثلاً ایک شخص اٹھ کر کہتا تھا :

علیؑ جو فرزند ہے ابوطالبؑ ابن عبدالمطلبؑ بن ہاشمؑ بن عبدمنافؑ کا جو پیغمبرؐ خدا کا چچازاد بھائی ہے جو پیغمبرؐ خدا کی بیٹی فاطمہؑ کا شوہر ہے جو حسنؑ اور حسینؑ کا باپ ہے اسپر لعنت کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا تھا ۔ میں نے کوئی بات اشارۃً تو نہیں کہی (الکامل للمبرد ج ۲ ص۶)

کسی انصاف پسند سنی مسلمان سے پوچھیں وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بتلائے کہ سیدنا علیؑ پر سب و شتم اور لعنت کرنے کا حکم دینے والا انسان شرافت و اخلاق کے کسی معیار کے مطابق مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے ؟ اور اب ایک اور واقعہ ایک اور مخالف کا سنیئے عبداللہ ابن زبیر کو تو آپ جانتے ہی ہیں گے اس کے پورے زمانۂ اقتدار میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے رجحان کو دبایا گیا اور وہ خود کبھی بھولے سے بھی حضور پر صلوٰۃ وسلام نہیں بھیجتا تھا اس کا کہنا تھا کہ لا یمنعنی من ذکرہ الا ان تشمخ رجال بآنا فھا ۔ مجھے صلوٰۃ وسلام بھیجنے اور حضورؐ کا تذکرہ کرنے سے یہ امر مانع ہے کہ اس ذکر سے کچھ لوگوں کی ناک اونچی ہوتی ہے ظاہر ہے اس کا اشارہ خاندان بنو ہاشم

کی جانب تھا۔

اسی عبداللہ ابن زبیر کے لڑکے عامر کی روایت ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے اپنے کسی لڑکے کو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے سُنا تو انہوں نے اس سے سُنا - یا بنی اباک وذکر علی رضی اللہ عنہ فان بنی امیہ تنقصتہ ستین عاما فما زادہ اللہ بذالک الا رفعۃ -

(البیہقی فی المحاسن والمساوی ج ۱ ص ۳۹)

"بیٹے! حضرت علیؑ کی توہین کا ارتکاب مت کرو بنی امیہ کے افراد نے ساٹھ برس تک ان کی توہین و تنقیص میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن اس کے باوجود سیدنا علیؑ کی عظمت و رفعت شان اتنی ہی زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی"۔

عبداللہ ابن زبیر کے ایک دوسرے لڑکے حمزہ بن عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر نے اپنے کسی لڑکے کو حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سُنا تو عبداللہ ابن زبیر نے اپنے لڑکے سے کہا۔

یا بنی انہ واللہ مابنت الدنیا شیئا الا ھدمہ الدین وما بنی الدین شیئا فھدمتہ الدنیا اما تری علیا وما یظھر بعض الناس من بغضہ ولعنہ علی المنابر فکانما واللہ یاخذون بنا صیتہ رفعا الی السماء وما تری بنی مروان وما یندبون بہ موتاھم من المدح بین الناس فکانما یکشفون عن الجیف - (ابن عبدربہ الاندلسی فی العقد الفرید ج ۵ ص ۹۱)

بیٹے! اللہ کی قسم قاعدہ یہ رہا ہے کہ دُنیا نے جو کچھ تعمیر کیا دین نے اسے منہدم کر دیا لیکن دین نے جو تعمیر قائم کی اسے دنیا کبھی منہدم نہ کر سکی۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی کی شخصیت کو دیکھ لو کہ ان کے خلاف کیا کچھ بغض اور دشمنی کا مظاہرہ نہیں ہوا اور کس طرح محراب و منبر سے ان پر سب و شتم نہیں کیا گیا لیکن یوں لگتا ہے کہ ان ساری مذبوحی حرکتوں سے وہ سیدنا علیؑ کے سر عظمت و افتخار کو اور زیادہ بلند کر رہے ہیں اس کے برعکس بنی مروان نے اپنی اولاد اور اپنے خاندان کی تعریف کے لیے کیا کچھ جتن نہیں کئے مگر جب بھی ان لوگوں کا تذکرہ آتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے کسی مردہ لاش کو کسی نے چوراہے پہ لاکر رکھدیا ہے کہ تعفن اور سڑاند کے بھبھوکے اُٹھ رہے ہیں۔ اور تبرا کی یہ رسم بد شروع کس نے کی اور وہ کون بدبخت تھا جس نے اسلام کے ایک خلیفۂ راشد کو جس کی خلافت راشدہ میں کسی اہل سنت کو کوئی کلام نہیں منبر و محراب سے گالیاں دینے کا باقاعدہ حکم جاری کیا؟ اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ معاویہ بن ابی سفیان تھا جس نے اپنی قلمرو سلطنت میں سب و شتم کی اس ملعون رسم کا آغاز کیا لیکن عقل کے کچھ اندھے اس پر بھی معاویہ کی فضیلت و منقبت کا چرچا کرتے ہیں اور ان کے اس فعل خبیث کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور ان گالیوں کا نشانہ بننے والی شخصیت کون تھی وہ انسان جس کے بارے میں امت کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ احب الخلق الی رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وآلہ وسلم (ساری کائنات میں حضورؐ کی محبوب ترین شخصیت) تھے
میں کبھی کبھی اہل سنت والجماعت کے اس ذہنی تضاد پر سوچتے ہوئے حیرت زدہ
رہ جاتا ہوں کہ یہ کیسی قوم ہے کہ جس نے سوچنے اور سمجھنے کی اپنی ساری
صلاحیتیں ضائع کر دی ہیں کہ اب کوئی معقول بات ان کے دماغ میں سماتی
ہی نہیں ہے اس قسم کا تضاد پاگلوں اور دیوانوں کے پاس تو شاید نظر آ
جائے لیکن کوئی عقلی سلیم سے بہرہ مند انسان ان کہہ مکرانیوں پر کیسے یقین کر سکتا
ہے لیکن صحابہ کے باب میں ان احمقوں کی مت ایسی ماری گئی ہے کہ ان
کے سیاہ کو بھی سفید کہنے پر مصر ہیں اور ان کی ہر غلط بات کی بھی ایسی
تاویل کریں گے جس کا نہ کوئی عقلی جواز ہے نہ منطقی نہ اخلاقی فلسفہ اس
کی تائید کرتا ہے نہ شرعی استدلال اسکو صحیح قرار دے سکتا ہے ۔
مثال کے طور پر قتل عثمان ہی کا واقعہ لے لیجئے ام المومنین عائشہ کہتی ہیں کہ
قتل عثمان میں حضرت علیؑ کا ہاتھ تھا عشرہ مبشرہ کی فرضی روایت کے
دو ہیرو طلحہ اور زبیر بھی یہی کہتے ہیں اور اسی بناء پر جنگ جمل لڑی
گئی موقعہ پر موجود تین بڑی اہم شخصیتیں تو قتل عثمان کا سارا الزام حضرت
علیؑ کے سر تھوپیں اور ان کے ہزاروں معتقدین جن میں صحابہ بھی تھے اور
تابعین بھی اس جنگ میں ان تین بڑوں کی بھرپور اور عملی حمایت میں جنگ میں
براہ راست حصہ لیں لیکن اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ
کا اس قتل میں کوئی ہاتھ نہیں تھا ۔
اگر طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ سچی تھیں تو آپ بھی انہی کی

بات پر اعتقاد رکھیں اور تسلیم کریں کہ واقعی قتل عثمان میں حضرت علی کا ہاتھ تھا اس صورت میں ان کا خلیفۂ راشد ہونا ایک مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ کوئی خلیفۂ راشدہ کسی دوسرے خلیفۂ راشد کو قتل کروانے کے بعد خلافت راشدہ کے منصب پر فائز نہیں رہ سکتا اور اس لیے شرافت واخلاق و انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ حضرت علیؑ کو خلافت راشدہ کے دائرہ سے خارج کردیں۔

اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اول الذکر تینوں اصحاب اپنے دعوی اور موقف میں جھوٹے تھے تو آپ انہیں سیدھی طرح باغیوں کے زمرہ میں شمار کریں اور ان کے لیے وہی سزا تجویز کریں جو اسلام نے باغیوں کے لیے مقرر کی ہے تب آپ کو ان باغیان خلافت راشدہ کے جنتی ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹنا بند کرنا پڑے گا اور ان کے تقدس کی تشہیر ترک کرنی پڑے گی لیکن عجیب خردماغ گروہ ہے یہ کہ نہ طلحہ و زبیر و عائشہ کو باغی کہتا ہے نہ حضرت علیؑ کے خلیفۂ راشد ہونے کا انکار کرتا ہے ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ تم زیادہ معتبر ہو یا ام المومنین اور طلحہ و زبیر زیادہ معتبر ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی نے شیعیت کے رد میں ایک بڑی زوردار کتاب لکھی ہے نام اس کتاب کا "العواصم من القواصم" ہے اس کتاب کو اہل سنت رد شیعیت کے بارے میں حرف آخر سمجھتے ہیں اور اس کے مصنف کو جو مشہور خارجی مصنف ابن تیمیہ کا ہمعصر ہے ابن تیمیہ پر فوقیت دیتے ہیں اس کتاب کا حاشیہ محب الدین الخطیب نامی ایک غالی خارجی نے لکھا ہے۔

اب "ہذا العواصم من القواصم" کا بیان اور اس پر محشی کا تبصرہ دونوں پڑھیے اور عقل کے ان دشمنوں کو داد دیجیے۔ ابوبکر بن العربی کہتا ہے۔

اما وجود الحرب بینہم فمعلوم قطعا واما کونہ بہذا السبب فمعلوم کذلک قطعا واما الصواب فیہ فمع علیؑ لئن طالب الدم لا یصلح ان یحکم وتہمۃ الطالب القاضی لا توجب علیہ ان یخرج علیہ بل یطلب الحق عندہ فان ظہر لہ قضاء والا سکت وصبر فکم من حق یحکم اللہ فیہ وان لم یکن لہ دین فحینئذ یخرج علیہ فیقوم لہ عذر فی الدنیا ولئن اتہم علی بقتل عثمان فلیس فی المدینۃ احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا وھو متہم بہ او قتل معلوم قطعا ان قتلہ لان الف رجل جاؤا لقتل عثمان لا یغلبون اربعین الفا۔

جہاں تک صحابہ میں جنگ کے برپا ہونے کا تعلق ہے تو یہ تو قطعی طور پر ایک امر واقعہ ہے اور جہاں تک اس جنگ کے محرکات وعوامل کا معاملہ ہے تو اس کی وجہ بھی حتمیت کے ساتھ سب کو معلوم ہے کہ اس کا محرک قتل عثمان تھا۔ لیکن اس جنگ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کا موقف درست تھا کیونکہ قصاص کا مطالبہ کرنے والے کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہوتا اور اگر قصاص کا مطالبہ کرنے والا شخص فیصلہ کرنے والے جج یا حکمران کو متہم قرار دے تو اس سے اسے یہ حق نہیں مل جاتا کہ وہ اس کے خلاف بغاوت اور خروج کرے اسکو صرف اپنے حق کا مطالبہ کرنے کی اجازت ہے اگر فیصلہ اس

کے حق میں ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اس پر صبر کرے اور خاموشی اختیار کرے کیونکہ بہت سے حقوق کی بازیابی کے سلسلہ میں اللہ رب العزت کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر حاکم یا قاضی دین سے بے بہرہ ہو اور شریعت کو نہ مانتا ہو اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت کی جا سکتی ہے اور باغی کا عذر قبول ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت علیؑ کو قتل عثمان میں ملوث کیا جا سکتا ہے تو مدینہ منورہ میں دوسرا ایسا کونسا صحابی ہے جو اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا جا سکے۔ جبکہ قطعی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت علیؑ نے یا کسی دوسرے صحابی نے قتل عثمان میں حصہ لیا ہے اور آخر یہ بات کیوں کر باور کی جا سکتی ہے کہ ایک ہزار آدمیوں کا جتھہ جو عثمان کو قتل کرنے کے لیے مدینہ میں گھس آیا تھا۔ مدینہ کی چالیس ہزار آباد پر غالب آگیا ہو۔" اس موقعہ پر محب الدین الخطیب نے جو "العواصم من القواصم" کا حاشیہ نگار ہے اپنی جانب سے اس عبارت کی حاشیہ آرائی کی ہے۔ لیس فی اهل السنة رجل واحد بیتهم علیا لقتل عثمان لا فی زماننا ولا فی زمانه صفحہ ۱۶۵ (اہل سنت میں ایک بھی شخص ایسا نہیں جو حضرت علیؑ کو قتل عثمان میں ملوث قرار دیتا ہو نہ ہمارے زمانہ میں ایسا کوئی شخص ہے نہ خود حضرت علیؑ کے زمانہ میں کسی نے آپؑ پر اس کا الزام لگایا۔" کوئی اس لال بجھکڑ سے پوچھے کہ اگر حضرت علیؑ قتل عثمان کی سازش میں شریک نہیں تھے تو طلحہ و زبیر اور معاویہ کی ہنگامہ آرائی اور ام المومنین عائشہ کی جنگی تیاریاں کس سلسلہ میں تھیں اور محاذ آرائی

کی جو روش ان حضرات نے اختیار کی وہ کس بنا پر تھی۔
اس حاشیہ نگار کی اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں بھی اہل سنت کا گروہ موجود تھا۔

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

ہم نو اہل سنت کا مفہوم آجتک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ جو سنت نبویؐ پر عمل پیرا ہیں لیکن جن لوگوں نے حضورؐ کی بیماری کے ایام میں سنت پیغمبرؐ کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہو کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ جن لوگوں نے سُنت انبیاءؑ کو ٹھکرا دیا ہو یہ کہہ کر کہ پیغمبرؐ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور اس من گھڑت اور جعلی دلیل کے سہارے پیغمبر علیہ السلام کی اکلوتی صاحبزادی کو اس کے باپؐ کے عطا فرمودہ ورثہ سے محروم کر دیا ہو انہیں اہل سنت کہنا " بازی بازی باریش بابا ہم بازی" تو کہہ سکتے ہیں اہل سنت کہنا حقائق کا مُنہ چڑانا ہے۔
البتہ اگر اس سنت سے مراد سنت شیخین ہے تو ایسی سنت کو دور کا سلام کہ اس سنت شیخین نے ہر غلط کو صحیح قرار دے کر شریعت اسلامیہ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔
اس سنت شیخین پر عمل کرنے کا جس شخص نے وعدہ کیا تھا اس نے اپنے دور حکومت میں جو گل کھلائے اور پھر اس کے نتیجہ میں وہ جس انجام بد سے دو چار ہوا وہ اپنے اندر عبرت و موعظت کے بہت سے پہلو رکھتا ہے بشرطیکہ دیدۂ بینا اور چشم عبرت پذیر ہو۔

اہل سنت کے تین بڑوں میں وہ پیر فرتوت جس نے سنت نبیؐ اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا اعلان کر کے خلافت راشدہ کو بنی امیہ کے گھر کی داشتہ بنا دیا اس کی سنت یہ تھی کہ اس نے اپنے خاندان کے لیے بیت المال کا منہ کھول دیا۔ شاید بہت کم سنیوں کو اس کی خبر ہوگی کہ اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ کیا ہے میرا خیال ہے کہ اگر اس کی حقیقت، انصاف پسند، غیر متعصب اور غیر جانب دار سنیوں پر منکشف ہو جائے تو وہ خود کو کبھی اس نام سے موسوم کرنا گوارا نہ کریں۔

جس سال معاویہ نے سیدنا امام حسن علیہ السلام سے مصالحت کا ڈھونگ رچایا اور نظام اقتدار پر ناجائز طور پر قبضہ کیا تو اس سال کا نام اس نے "عام الجماعت" رکھا گویا اہل سنت والجماعت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو سنت شیخین کو بھی مانیں خواہ اس سے سنت رسولؐ مجروح ہی کیوں نہ ہوتی ہو اور جو معاویہ کے اقتدار کی چوکھٹ پر بھی سجدہ ریز ہوں وہی معاویہ جو اپنے مشکوک نسب کی بناء پر اس قابل بھی نہ تھا کہ نماز کی امامت کے مصلّی پر کھڑا ہو سکے، وہی معاویہ جس کا اسلام مارے باندھے کا اسلام تھا جس نے اسلام کے پیغام ہدایت کی بناء پر اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ حالات نے اسلام کے غلبہ و اقتدار کے سامنے اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا وہ معاویہ جس نے امام برحق اور خلیفہ راشد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، وہ معاویہ جس نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب شخصیت کے خلاف علانیہ منبر و محراب سے سب و شتم کی رسم قبیح کا اجراء کیا وہ

معاویہ جس نے ایک حرام زادہ کو محض سیاسی مصلحت کی بنا پر اپنا حقیقی بھائی بنالیا، وہ معاویہ جس نے اپنے بدکردار، بدنہاد فاسق و فاجر بیٹے کو جانتے بوجھتے ہوئے اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ وہی معاویہ جس نے حجر بن عدی رض جیسے جلیل القدر صحابی کو محض اس جرم کی پاداش میں شہید کرادیا کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے کے حکم کو ماننے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، وہی معاویہ جس نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا کر ہلاک کر ڈالا، وہی معاویہ جس نے مالک اشتر رح کو شہد میں زہر ملا کر کھلایا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی وہی معاویہ جس کے دربار میں ایک عیسائی درباری نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کعب بن اشرف کے قتل کے سلسلہ میں غدرِ عہد کا الزام دیا اور وہ بے غیرت انسان اسپر ذرا بھی بدمزہ نہ ہوا۔

اس معاویہ کی قیادت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنا اسے اپنا پیر و تسلیم کرنا اس کی عظمت کا اٹھتے بیٹھتے ڈھنڈورہ پیٹنا اور اس کی فضیلت کا چرچا کرتے رہنا یہ ہے اہل سنت کا خاص شیوہ اور یہ ہے اہل سنت والجماعت کی امتیازی خاصیت اور ان کا نمایاں وصف مولانا اشرف علی تھانوی جنہیں اہل سنت والجماعت کا دیوبندی مکتب فکر "حکیم الامت" کے بھاری بھرکم خطاب سے یاد کرتے رہے اس نے اپنے مواعظ کی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ جو شخص خود کو اہل سنت کے زمرہ میں شمار کرتا ہے اسکو فضیلت معاویہ پر

ایمان لانا چاہیئے۔ کیونکہ سنی اور شیعہ کے درمیان وجہ نزاع اسی کی شخصیت ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ معاویہ کی فضیلت کے باب میں بعض حدیثیں گھڑی گئیں تاکہ اس کی عظمت کا پہلو اجاگر کیا جائے اور ایک ایسے مقدس شخص کا اسے زدپ دیا جائے جو پیغمبر اسلامؐ کی نگاہوں میں بڑی محترم شخصیت تھی مشہور محدث و مفسر اور سنی مکتب فکر کے بہت بڑے عالم جنہیں اہل سنت دسویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیتے ہیں۔ میری مراد علامہ حافظ جلال الدین سیوطی سے ہے انہوں نے اپنی مشہور کتاب "اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ" میں معاویہ کے باب میں پیش کی جانے والی احادیث کے بارے میں وضاحت کی ہے " لایصح فی فضل معاویہ حدیث " معاویہ کی فضیلت کے بارے میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ "کلہا موضوعۃ، لااصل لہا" ایسی حدیثیں بے بنیاد ہیں مشہور شارح بخاری اور بہت بڑے محدث ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح بخاری میں مشہور محدث ابن جوزی کے حوالہ سے اسحاق بن راہویہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں لم یصح فی فضل معاویۃ شیئ" معاویہ کی فضیلت کے باب میں کوئی شے بھی مبنی بر صحت نہیں ہے۔ بخاری کے ایک اور شارح علامہ عینی نے اپنی شرح بخاری میں ان بہت سی حدیثوں کا ذکر کیا ہے جو معاویہ کی فضیلت کے بارے میں پیش کی جاتی ہیں اور کہا ہے کہ لیس فیہا

حدیث یصح من طرق الاسناد کہ سند کے اعتبار سے ان میں سے ایک بھی حدیث قابل اعتبار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خود بخاری نے اپنی کتاب حدیث میں جہاں مناقب صحابہ کا تذکرہ کیا ہے وہاں معاویہ کا ذکر کسی فضیلت و منقبت کے ساتھ کرنے کی بجائے "باب ذکر معاویہ" کہنے پر اکتفا کیا ہے۔

امام شوکانی نے اپنی کتاب "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں لکھا ہے "اتفق الحفاظ علی انہ لم یصح فی فضل معاویۃ حدیث۔" "حفاظ حدیث اور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت کے باب میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔"

مشہور ناصبی مصنف ابن تیمیہ نے اپنی مشہور کتاب منہاج السنۃ میں جو اس نے شیعیت کے رد میں لکھی ہے اعتراف کیا ہے کہ "طائفۃ وضعوا لمعاویۃ فضائل ورووا احادیث عن النبی فی ذلک کلھا کذب" (ایک حاضر گروہ تھا جس نے معاویہ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں گھڑ لیں اور ان کی روایت کو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے) - اور یہ قصہ تو چھوٹے میاں کا ہے بڑے میاں کی شان میں جو حدیثیں مذکور ہیں ان کے بارے میں بھی محدثین کی رائے یہ ہے کہ وہ سراسر جعلی اور من گھڑت حدیثیں ہیں۔

لغت کی مشہور کتاب "قاموس" کے مرتب علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی کتاب "سفر السعادۃ" میں لکھا ہے۔

باب فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اشہر المشہورات من الموضوعات ۔ "ابوبکر کے فضائل میں جتنی مشہور روایتیں اور حدیثیں مذکور ہیں وہ سب بعد کی گھڑی ہوئی ہیں۔"

اس قسم کی تمام روایتوں کو بیان کرنے کے بعد صاحب "قاموس" نے تصریح کی ہے۔ وامثال ھذا من المفتریات المعلومۃ بطلانھا ببدیھۃ العقل ۔ "اس قسم کی افترا پردازیوں کا بطلان بداہت عقل سے ثابت ہے۔" بہت سی جعلی اور وضعی حدیثیں اس مطلب کی بیان کی جاتی ہیں جن میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا استحقاق ابوبکر و عمر کے لیے ثابت کیا گیا ہے مثلاً عن عبداللہ بن عمر مرفوعا اقتدوا بالذین بن بعدی ابوبکر وعمر ۔ (عبداللہ بن عمر خطاب کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میرے بعد دو آدمیوں کی پیروی کرنا ایک ابوبکر دوسرے عمر اس حدیث کو بھی ہمارے اہل سنت والجماعت حضرات بڑی شد و مد سے اثبات دعویٰ کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن تمام محدثین نے اسے موضوع قرار دیا ہے لیکن انہی جھوٹی روایتوں کے سہارے ابوبکر و عمر کی خلافت کو خلافت راشدہ ثابت کیا جاتا ہے اور اس قسم کی جھوٹی روایتوں کے بل بوتے پر معاویہ کی فضیلت کے گن گائے جاتے ہیں گویا مسلک اہل سنت والجماعت کی اوقات چند موضوع اور جعلی حدیثیں ہیں جن پر ان کے مذہب کا تمام تر دار و مدار ہے اور یہ بات بھی نہیں کہ اہل سنت سے وابستہ علماء کو

اس جھوٹ کا پتہ نہ چل سکا ہو خود انہی کے محدثین اور ناقدین حدیث نے ان روایتوں کو مجروح قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود پچھلے تیرہ سو برس سے جھوٹ کا یہ دھندا بڑے زوروں سے چل رہا ہے، اور یار لوگ اس پر سر دھن رہے ہیں اور داد کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔

یہاں ایک اور دلچسپ امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ فضائل شیخین میں سنی کتب حدیث میں جو حدیثیں ملتی ہیں ان میں ابوبکر کے فضائل کی روایتیں حضرت عائشہ سے زیادہ تر مروی ہیں یا انہی کے خاندان کے کسی دوسرے فرد کی روایت کردہ ہیں اسی طرح عمر ابن خطاب کے فضائل کے باب میں جو حدیثیں منقول ہیں وہ عبداللہ ابن عمر وغیرہ سے مروی ہیں یا پھر ہمہ پھر کے بھاڑے کے وہ ٹٹو اور کرایہ کے وہ راویان حدیث ہیں جن کا پیشہ ہی پیسے لے کر حدیثیں گھڑنا تھا جیسے ابوہریرہ ہوئے عبداللہ بن عمرو بن العاص ہوئے مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن زبیر اور اسی قماش کے دوسرے بکاؤ صحابی تھے کہ بقول شاعر ؎

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع ہنر کیساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

ایک بات جو آجتک میری سمجھ میں نہیں آسکی اور میں نے ہر ہر زاویہ سے اس موضوع پر غور کیا ہے لیکن یہ بات کسی طور حلق سے نیچے نہیں اتری کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ دو آدمی آپس میں برسر پیکار ہوں۔

دونوں کے درمیان زبردست جنگ برپا ہوئی جس میں فریقین کے ہزاروں شرکاء موت کے گھاٹ اتر گئے ہوں وہ دونوں بیک وقت صحیح کیسے ہو سکتے ہیں دونوں کو خدا کی جانب سے خوشنودی کا سرٹیفکیٹ کیسے مل سکتا ہے اور دونوں اجر و ثواب کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔

بدایت عقل کا فیصلہ تو یہ ہے کہ وہ دونوں غلطی پر ہیں یا ان میں سے ایک غلطی پر ہے اور دوسرا حق پہ ایک طرف حضرت علیؑ ہیں دوسری جانب معاویہ ہے دونوں میں فرق مراتب پر بھی پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے ایک "مسلم اول شہ مرداں علیؑ" ہے اور یہ اقبال کہتا ہے اور سب ہی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں دوسری جانب معاویہ ہے جو فتح مکہ کے روز مسلمان ہوتا ہے۔

اول الذکر نے ہر معرکہ میں اور جہاد کے ہر محاذ پر داد شجاعت دی ایثار و قربانی کی روایتیں قائم کیں دشمنان دین کو اس کی تیغ خاراشگاف نے خاک و خون میں تڑپایا بڑے بڑے سورماؤں کا غرور اس نے خاک میں ملایا۔ دوسری جانب اس کا حریف اس قسم کے کسی اعزاز سے متصف نہیں ہے نہ اس نے کسی جنگ میں حصہ لیا نہ کسی میں شریک ہوا نہ ایثار و قربانی کی کوئی روایت قائم کی حتیٰ کہ حضورؐ کے بعد کی کسی جنگ میں بھی

اس نے شرکت نہیں کی۔

دونوں کے اسلوب زندگی اور انداز فکر میں بھی نمایاں فرق ہے ایک طرف دین کی مکمل پابندی اور پاسداری کا اس درجہ اہتمام ہے کہ خود ارشاد فرمایا: "لولا الدین لکنت اسوس العرب" مجھے اگر دین کی پاسداری کا احساس نہ ہوتا تو میں عرب کا سب سے بڑا سیاست دان ہوتا۔

دوسری جانب دھوکہ بازی، دھاندلی، بد عہدی اور بد نیتی کا یہ عالم ہے کہ خود اہل سنت کے ایک بہت بڑے امام علامہ راغب اصفہانی جنہوں نے مفردات' القرآن' جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی اپنی کتاب المحاضرات میں اعتراف کرتے ہیں کہ لم یکن غایتہ الادرک الحاجہ حل ادحرم ثم لم یکن یبالی بالدین ولا یتفکر فی سخط رب العالمین۔" معاویہ کی زندگی کا مقصد محض مطلب براری تھا۔ حلال و حرام کی پروا کئے بغیر دین کی اسے کچھ پروا نہیں تھی اور خدا کی ناراضگی کا اسے کوئی فکر نہیں تھا۔"

ایک جانب سیدنا علیؑ ابن طالبؑ کی ذات گرامی ہے جنہیں کیا سنی اور کیا شیعہ سب ہی خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ دوسری جانب اسی خلیفہ راشد کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والا شخص، معاویہ بن ابی سفیان ہے۔

زبان نبوت و وحی پہلے ہی خبر دے چکی ہے کہ عمارؓ بن یاسرؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور عمارؓ بن یاسرؓ سیدنا علیؑ کی فوج ظفر موج کے مقتدر سپہ سالار ہیں جنہیں معاویہ کی فوج کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنا پڑا اور تمام علماء اہل سنت نے حضورؐ کے اس فرمان کی توثیق کی ہے

حافظ المغرب ابن عبد البرؒ نے اس حدیث بحوالہ بالا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ تواترت الاخبار عن النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ قال تقتل عمار الفئۃ الباغیۃ وھذا من اخبارہ بالغیب و اعلام نبوتہ وھو من اصح الاحادیث۔

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔ " عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔" یہ حدیث جہاں غیب کی ایک خبر دیتی ہے وہاں اسے حضورؐ کی نبوت کی علامات میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ نہایت صحیح حدیث ہے۔" مشہور ناقد حدیث ابن وحیہ کہتے ہیں : " لا مطعن فی صحتہ ولو کان غیر صحیح لردہ معاویۃ وانکرہ - اس حدیث کی صحت کے بارے میں کسی حلقہ سے کوئی طعن و جرح نہیں کی گئی اگر حضورؐ کا یہ ارشاد روایت و سند کے اعتبار سے درست نہ ہوتا تو معاویہ اسے ضرور مسترد کر دیتا اور اس حدیث کی صحت سے انکار کر دیتا۔ گویا معاویہ نے اس حدیث نبوی کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے باغی فوج کا سربراہ بننا

قبول کیا اور حضرت عمار رضؓ بن یاسر رضؓ کی شہادت کے بعد تو اس کی آنکھیں کھل جانی چاہیئے تھیں مگر وہ اپنی باغیانہ روش پر بدستور قائم رہا ۔ خلافت راشدہ کی مسند پر فائز ہونے والا بھی رضی اللہ تعالٰے عنہ کا مصداق ہے اور خلافت راشدہ کا باغی بھی رضی اللہ تعالٰے عنہ ہے ، یہ ہے مسلک اہل سنت کہ باغبان بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی اور اسی بغاوت کے سلسلہ کی ایک اور شہادت اہل سنت کے مستند محدث حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عمار رضؓ بن یاسر رضؓ کے بارے میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد کے متعلق لکھا ہے ۔ "رواہ جمع من الصحابۃ" صحابہ کی ایک کثیر تعداد نے اس روایت کو نقل کیا ہے [۱]۔

اس کے بعد ابن حجر نے ان صحابہ کے نام گنوائے ہیں اور اس کے بعد وہ اپنے تبصرہ میں کہتا ہے ۔ وفیہ علم من اعلام النبوۃ وفضیلۃ ظاہرۃ لعلی و عمار رضی اللہ عنہما ۔ اس حدیث میں علامات نبوت میں سے ایک علامت موجود ہے اور یہ حضرت سیدنا علیؑ اور حضرت عمار رضؓ کی فضیلت پر ایک واضح دلیل ہے ۔ ایسے بے دین شخص کو جو خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرتا ہے ۔

---

[۱] اس روایت کے راوی صحابہ کی کل تعداد ۲۷ ہے جن میں "ذوالشہادتین" حضرت خزیمہ رضؓ بھی شامل ہیں جن کی اکیلی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی ۔

علم بغاوت بلند کرتا ہے عمر بھر اس کی ذات اقدس پر سب و شتم کرتا ہے اور عقل کے اندھے اس کے قصیدے پڑھتے ہیں اور جھوٹی حدیثوں کے سہارے اسے سیدنا علی علیہ السلام کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں ۔ شرم تمکو مگر نہیں آتی

اہل سنت والجماعت کے مذہبی پیشواؤں سے تو کچھ کہنا بے سود ہے کیونکہ وہ تو حقیقت حال کا علم رکھنے کے باوجود صدیوں سے یہ راگ الاپ رہے ہیں لیکن سواد اعظم کو اس مسئلہ پر اور عامۃ المسلمین کو اس بارے میں ضرور غور و فکر کرنا چاہیئے کہ وہ کس ڈگر پر چل رہے ہیں اور دو کشتیوں کے سوار بن کر کس منزل کا رُخ کر رہے ہیں ۔ کتاب کی تنگ دامانی اگرچہ مانع ہے تاہم ایک سُنی عالم کی لکھی ہوئی ایک زبردست دستاویزی کتاب "النصائح الکافیہ لمن یتولی معاویہ" (معاویہ کی محبت کا دم بھرنے والوں کے لیے جامع نصیحتیں) میں سیدنا علی علیہ السلام اور معاویہ کے انداز سیاست پر جو تبصرہ کیا گیا ہے جی چاہتا ہے کہ اسے یہاں من و عن نقل کر دیا جائے تاکہ عبرت و بصیرت کا ایک اور پہلو واضح ہو جائے اور معاویہ سے اظہار بیزاری کی توفیق ارزانی ہو ۔ مذکورہ بالا کتاب کے مصنف سید محمد عقیل انڈونیشیا کے بڑے علماء اہل سنت میں سے تھے وہ فرماتے ہیں ۔ وایضاح ھذا الامر و بیانہ یقتضی التمھید لہ بذکر ما کان من

التضادت بين حال على عليه السلام فى سيرته
و بين حال معاوية و من يشاركه فى آرائه كعمرو
بن العاص و المغيرة بن شعبة و ذلك ان عليا
كرم الله وجهه كان لا يستعمل فى حروبه و سائر افعاله
الا ما يوافق الكتاب و السنة ملازما فى جميع حركة
قوانين الشريعة مدفوعا الى اتباعها رافضا ما كان
يستعمله المشركون فى الجاهلية و البغاة القاسطون
فى الاسلام فى حروبهم من المكر المحظور و الخبث
و الدها و الغدر و الحيلة و التفرير بالاجتهاد فى
مقابلة المنصوص و تخصيص العمومات بالآراء لتوافق
الهوى و غير ذلك مما لا ترخص فيه الشريعة ولا يرضاه
الله و لا رسوله، فكان كرم الله وجهه يقول لاصحابه لا تبدأوهم
بالقتال حتى يبدأوكم ولا تقتحموا بابا مغلقا لانه كرم الله وجهه
كان ملجما بلجام الورع عن جميع القول الا ما كان فيه الارضى
و ممنوع اليدين عن كل بطش الا ما ارتضاه الكتاب و
السنة و منقبض عن كل تدبير الا ما اذن الله فيه فكان
مجال التدبير عليه ضيقا و من هذا التضييق
نتجت امور كثيرة ينسب اليه القاصرون التقصير
فيها كعدم اقراره معاوية على الولاية فى اول خلافته ثم

يعزله بعد ذلك لما يعلم فى تقويره من الظلم والجور وكعدم ارضاء طلحة والزبير بتوليتهما المصرين كما طلباه حتى فارقاه وكمخاشنته فى الله لبعض اصحابه كاخيه عقيل وشاعر النجاشى ومصقلة بن هبيرة حتى فارقوه الى معاويه ....

ولا غروان من اقتصر على الكتاب والسنة فقد حجر على نفسه الواسع ومنع نفسه الطويل العريض ومالا يتناهى من المكائد ووجوه الفلج والظفر وكان معاوية واصحابه غير متقيدين بدين ولا ملتزمين فى الباطن لشريعة بل كانوا يستعملون المكر والخبث والغدر والكذب والتغرير والتاويل مما يستخرجون به وجوه مصالحهم سواء كان جائزا فى الشرع او محظورا وسواء اكان فيه سخط الله تعالى ام رضاه

ومن المعلوم البديهى ان الصدق والكذب معا اوسع مجالا من الصدق وحده وان الحلال والحرام معا اكثر طرقا من الحلال وحده فاتيح بذلك لمعاوية واصحابه مجال التدبير من التفريق بين الناس بالكذب والقاء الكتب المزورة فى العسكر بالسعايات ودس السموم فى الاطعمة وبذل الرشوة من مال الله وامثال ذلك من المكائد الاثيمة وزخارف القول المفتعلة -

وقد اشار کرم اللہ وجہہ، الی جمیع ما قدمناہ بکلمات و جیزۃ مذکورۃ فی نہج البلاغۃ قال علیہ السلام

واللہ ما معاویہ بادھی منی ولکنہ یغدر ویفجر ولولا کراھۃ الغدر لکنت من ادھی الناس ولکن لکل غدرۃ فجرۃ وکل فجرۃ کفرۃ ولکل غادر لواء یعرف بہ یوم القیامۃ واللہ ما استغفل بالمکیدۃ ولا استغمز بالشدیدۃ۔

اس امر کا فیصلہ کہ سیدنا علیؓ اور ان کے حریف روسیاہ معاویہ کے کردار میں کیا تفاوت تھا اور ان میں سے کون حق پر تھا اور کون ناحق اس کے لیے ایک اصولی بات ذہن میں بطور تمہید رکھنی ہوگی ایک طرف سیدنا علیؓ کی ذات گرامی اپنی سیرت کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے دوسری جانب معاویہ اور اس کے شرکائے کار عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ جیسے لوگ سیدنا علی کی زندگی کا انداز یہ تھا کہ وہ جنگ ہو یا زندگی کا کوئی اور مرحلہ کسی موقعہ پر بھی وہ کتاب و سنت سے انحراف گوارا نہیں کرتے تھے اور زندگی کے تمام معاملات میں اتباع شریعت کا بطور خاص اہتمام ملحوظ رکھتے تھے اور دور جاہلیت کے مشرکانہ ہتھکنڈوں اور اسلام کے باغیوں کے حربوں اور ان کے مروجہ مکر و فریب کے جوڑ طریقوں سے اور سیاسی حیلہ جوئیوں اور بدعہدیوں سے ہمیشہ پہلو تہی فرماتے اور احکام خداوندی کے مقابلہ میں اجتہاد یا اپنی ... وان کے رائے کو کوئی وقعت

نہیں دیتے تھے اور شریعت کی حدود اور خدا اور رسولؐ کی رضا سے انحراف کا تصور تک نہیں کرتے تھے امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تک دشمن لڑائی میں تم سے پہل نہ کرے تم ان سے مت لڑو اور نفاق و افتراق کے اس بند دروازہ کو کھولنے کی کوشش مت کرو۔" سیدنا علیؑ کرم اللہ وجہہٗ خدا خوفی اور تقویٰ شعاری کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے انسان تھے ان کی زبان سے اور ان کے ہاتھ سے کوئی ایسی چیز یا بات سرزد نہیں ہوتی تھی جو خدا اور اس کے رسولؐ کو پسند نہ ہو یا جس کی سند جواز کتاب و سنت سے انہیں نہ ملتی ہو، وہ کسی ایسی تدبیر کو بروئے کار لانے کے ہرگز روادار نہیں تھے۔ جس کی اجازت خدا اور اس کے رسولؐ کی کتاب شریعت میں موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سیاست کاری کا میدان بہت تنگ اور محدود تھا اور اسی بناء پر ان کے بعض قریبی ساتھی بھی انہیں چھوڑ گئے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص سیاست میں سیدنا علیؑ کا سا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے اسے اسی قسم کی دشواری سے سابقہ پڑنا ناگزیر ہے اس کے مقابلہ میں معاویہ اور اس کے ساتھیوں کا کردار واضح ہے وہ شریعت کے کسی حکم کے پابند نہیں تھے وہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پرواہ کئے بغیر اور حدود و احکام شریعت کو پس پشت ڈال کر ہر وہ سیاسی ہتھکنڈا اور ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتا تھا جھوٹ، عیاری، فریب کاری، رشوت کی گرم بازاری مخالفوں کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالنا اور ایسے ہی

بدعنوانی کے دوسرے کئی طریقوں کا میدان اس کے سامنے کھلا تھا۔

اور یہی وہ فرق تھا جس کی جانب امیرالمومنین سیدنا علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا آپ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ سیاست دان نہیں ہے لیکن اسے بدعہدی اور بدعنوانی کے کسی عمل سے جھجک محسوس نہیں ہوتی اور اگر بدعہدی مجھے طبعاً پسند نہ ہوتی تو میں معاویہ سے بڑا سیاست دان ہوتا۔

لیکن ہر بدعہدی کا سلسلہ فسق و فجور سے جا ملتا ہے اور فسق و فجور کا انجام بجز کفر کے اور کچھ نہیں اور ہر بدعہد شخص کو قیامت کے روز ایک نشان دیا جائے گا جس سے حشر کے مجمع عام میں اس کی رسوائی کے چرچے ہوں گے۔ اللہ کی قسم میں نہ کسی قسم کی فریب کاری کا سہارا لوں گا نہ کسی مشکل سے ہراساں ہوں گا۔"

اس طویل اقتباس سے جس کا اختتام سیدنا علی علیہ السلام کے ایک ارشاد گرامی پر ہوا ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امیرالمومنین نے ایک کامل و اکمل شریف انسان کی مانند مکر و فریب کی سیاست سے اپنا دامن ہمیشہ پاک رکھا اس وقت بھی جبکہ خلیفہ اول و دوم ان کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے اسلام دشمن قبیلوں سے گٹھ جوڑ کر رہے تھے اور اس وقت بھی جبکہ خلیفہ اول و دوم کی درپردہ سازشوں سے بنوامیہ کا بدترین اسلام دشمن شخص معاویہ بن ابی سفیان مسند اقتدار پر قبضہ جمانے کی سازش میں کامیاب ہو چکا تھا۔

دنیا کی ظاہری کامیابی یا ناکامی ہی کو معیارِ حق و باطل سمجھنے والوں کی نگاہ میں سیدنا علیؑ کی ناکامی شاید کچھ زیادہ اپیل نہ کرے لیکن جن لوگوں کی نظر امروز سے زیادہ فردا پر اور حال سے زیادہ مستقبل پر اور دنیا سے زیادہ آخرت پر ہے انہیں یہ بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ابدی سرفرازی اور دائمی کامرانی کا تاج امیر المومنین سیدنا علیؑ کے سر اقدس پر رکھا گیا ہے۔ جب بھی حضور پیغمبر اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثہ علمی حضورؐ کی روحانی وراثت، حضورؐ کے جود وکرم، حضورؐ کی بخشش وعطا، حضورؐ کی شجاعت وجواں مردی کا ذکر آتا ہے تو لبوں پر خواہ اپنے ہوں یا بیگانے ایک ہی وارث وامین کا نام آتا ہے۔ اور وہ امیر المومنین سیدنا علیؑ کی ذات گرامی کا نام نامی و اسم سامی ہے، کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم دنیا کے علمی ادب میں اگر کبھی سورما کا کسی جواں مرد کا، علم وفضل کے کسی مینار نور کا عزم و استقامت کے کسی ہمالہ کا نام ابھرتا ہے تو وہ صرف علیؑ اور اس کے خانوادہ کا وہ گل سرسبد ہے جس کا نام حسینؑ ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ حضورؐ کے نام نہاد جانشینوں میں کسی کو حسینؑ جیسے شہید اعظم کا باپ ہونے کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

علیؑ کے وارث پیغمبرؐ ہونے کی اگر ساری دلیلیں نظر انداز کر دی جائیں تو بھی شہید کربلا سے ان کی نسبت پدری ہی وہ سب سے بڑی دلیل ان کے وارث پیغمبرؐ ہونے کے لیے کافی ہے۔

خاک کربلا پر خون حسینؑ سے لکھی ہوئی یہ تحریر اس امر کی شہادت

ہے کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسند امامت وولایت کا وارث شہدائے کربلا کا مورث اعلیٰ ہے اور کوئی نہیں۔

خاک و خون کی یہ تحریر مٹائے مٹ نہیں سکی ہے اور جوں جوں انسانی تہذیب کا ارتقائی سفر درجۂ کمال کو پہنچتا چلا جائے گا۔ ایک نام وقت کے صفحات پر پوری آب و تاب کے ساتھ روشن سے روشن تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور وہ نام ہے :

علیؑ ابن ابی طالبؑ کا

دم بدم نعرۂ علیؑ

دم ہمہ دم
